مشرق
کہانی میگزین
11 تا 17 اکتوبر 2026

نانا پاٹیکر فٹ پاتھ پر سونے سے شہرت کی بلندی تک کیسے پہنچے

آج خاموش ہے وہ آواز جو کبھی اسکرین پر طوفان بن کر گونجتی تھی

نانا پاٹیکر چلے گئے...

1951 سے 2026 تک

ہمارے بعد محفل میں افسانے بیان ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی، ہم نا جانے کہاں ہوں گے

حوثیوں کے سعودی ہوائی اڈوں پر حملے اور مکہ معاہدہ

کیا ریاض امریکہ سے دفاعی شراکت داری ختم کرنے جا رہا ہے؟

شاہ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر حملوں میں پائلٹ سمیت تین شہری ہلاک، حوثی سعودی عرب کے ہوائی اڈوں کو کیوں نشانہ بنا رہے ہیں؟

میری بات

روہیل اکبر

یمن کی جنگ کے اثرات اب سرحد پار سعودی عرب کے اندر بھی نمایاں طور پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔ سعودی حکام کے مطابق گذشتہ تین روز کے دوران حوثیوں نے ریاض اور ابہا کے بین الاقوامی ہوائی اڈوں کو میزائلوں اور ڈرونز سے نشانہ بنایا، جن میں پائلٹ سمیت تین افراد ہلاک اور درجنوں زخمی ہوئے۔ ریاض کے شاہ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ہونے والے حملوں میں سعودی قومی ایئر لائن سعودیہ کے پائلٹ حمود علی الکلثامی بھی ہلاک ہوئے جبکہ پی آئی اے سمیت متعدد بین الاقوامی فضائی کمپنیوں نے ریاض کے لیے اپنی پروازیں معطل یا منسوخ کر دیں۔ سعودی عرب کی جنرل اتھارٹی آف سول ایوی ایشن (گاکا) کے مطابق جمعرات کو کنگ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر دو حملے کیے گئے۔ ادارے کا کہنا ہے کہ پہلے حملے میں ہوائی اڈے کی تنصیبات جبکہ دوسرے میں سعودیہ ایئر لائن کے ایک طیارے کو نشانہ بنایا گیا۔

جمعرات کی صبح ریاض کے کنگ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ایک طیارے سے دھواں اٹھتا دیکھا گیا، جبکہ سعودی دارالحکومت میں تعینات سفارت کاروں اور مقامی رہائشیوں کے مطابق شہر کے مختلف علاقوں میں متعدد دھماکوں کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ یہ حملے ایسے وقت میں ہوئے ہیں جب حوثی بین الاقوامی ایئر لائنز کو سعودی فضائی حدود استعمال کرنے کے بارے میں 'آخری وارننگ' جاری کر چکے ہیں۔ حوثی فوج کے ترجمان یحیٰی السریع نے دعویٰ کیا ہے کہ سعودی فضائی حدود اب 'ان کی فوجی کارروائیوں کا مرکز' بن چکی ہیں، جبکہ انھوں نے بدھ اور جمعرات کی درمیانی شب ریاض کے کنگ خالد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ایک اور میزائل حملے کی ذمہ داری بھی قبول کی ہے۔ یمن میں شدت اختیار کرتی جنگ کے دوران پہلے بھی سعودی عرب کے شہری ہوائی اڈوں کو نشانہ بنایا جا چکا ہے جنھیں خود یمنی حوثی سعودی فوجی کارروائیوں کا جواب قرار دیتے ہیں، جبکہ سعودی عرب نے مزید جوابی کارروائی کا عزم ظاہر کیا ہے۔ یہ حملے ایسے وقت میں بھی ہوئے ہیں جب یمن میں محاذوں پر لڑائی تیز ہو رہی ہے اور دونوں فریق تنازع کے ایک نئے مرحلے میں داخل ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ سعودیہ کے سول ایوی ایشن ادارے نے حملوں کے ذمہ دار کا نام نہیں لیا، تاہم حوثیوں کے فوجی ترجمان یحیٰی السریع نے دعویٰ کیا کہ ان کی مسلح افواج نے ریاض کے کنگ خالد ایئرپورٹ کو دو کروز میزائلوں، نجران ایئرپورٹ کو ایک بیلسٹک میزائل اور خمیس مشیط کے فضائی اڈے کو ایک بیلسٹک میزائل سے نشانہ بنایا۔ السریع کے مطابق ان حملوں سے دونوں ہوائی اڈوں پر فضائی ٹریفک متاثر ہوئی جبکہ ہوائی اڈوں اور تنصیبات کو نقصان پہنچا۔

حوثیوں کے فوجی ترجمان نے یہ بھی کہا کہ گروپ نے بدھ کے روز یمن کے عدن انٹرنیشنل ایئرپورٹ کو نشانہ بنایا۔ یہ ہوائی اڈہ حوثیوں کے کنٹرول سے باہر یمن کے علاقوں کے لیے ایک اہم بین الاقوامی داخلی راستہ ہے اور ملک میں جب بھی لڑائی شدت اختیار کرتی ہے اسے بار بار نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔ سریع نے کہا کہ سعودی عرب کے ہوائی اڈوں کو نشانہ بنانے والی یہ کارروائیاں 'ہمارے ملک کے خلاف سعودی جارحیت' کا جواب ہیں۔ ان کے مطابق گذشتہ 24 گھنٹوں کے دوران سعودی جنگی طیاروں نے صنعا سمیت الجوف، تعز، مارب، حجہ، صعدہ، الحدیدہ، لحج، ریمہ، اب اور البیضا کے صوبوں میں 59 فضائی اور میزائل حملے کیے۔ السریع کا دعویٰ تھا کہ ایف-15 اور ٹائفون طیاروں کے ذریعے کیے جانے والے یہ حملے خمیس مشیط سمیت مختلف سعودی اڈوں سے اڑے تھے۔

تو حوثی سعودی ہوائی اڈوں کو کیوں نشانہ بنا رہے ہیں؟ فوجی اڈوں، تیل کی تنصیبات یا دیگر اہم انفراسٹرکچر کے مقابلے میں ہوائی اڈے ان کے لیے اتنا اہم اور مؤثر ہدف کیوں ہیں؟

حوثیوں کی جانب سے شہری ہوائی اڈوں کو نشانہ بنانے کی حکمت عملی محض فوجی نہیں بلکہ سیاسی اور نفسیاتی پہلوؤں پر مبنی ہے۔ انسٹیٹیوٹ فار نیشنل سکیورٹی سٹڈیز کے سینئر محقق ڈینی سیٹرینووِچ کے مطابق حوثیوں کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ اگر ان کے طیارے صنعا ایئرپورٹ پر نہیں اتر سکتے تو سعودی عرب کے شہری ہوائی اڈے بھی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ 'محاصرے کے بدلے محاصرہ' کی سوچ کا حصہ ہے جس کے ذریعے وہ سعودی عوام کے حوصلے اور روزمرہ زندگی پر اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ انٹرنیشنل کرائسس گروپ کے سینئر تجزیہ کار احمد ناجی کا کہنا ہے کہ ہوائی اڈے حوثیوں کے لیے پرکشش ہدف ہیں کیونکہ ان پر حملے یا دھمکیوں سے نہ صرف حکام بلکہ عام شہری اور بین الاقوامی مسافر بھی متاثر ہوتے ہیں جس سے میڈیا کی توجہ حاصل ہوتی ہے اور ریاض پر دباؤ بڑھتا ہے۔ فلائٹ ریڈار 24 کے مطابق ریاض کا ہوائی اڈہ دنیا بھر میں ان ہوائی اڈوں میں سرفہرست رہا جہاں پروازوں میں سب سے زیادہ خلل پیدا ہوا۔

یمن میں کشیدگی حالیہ ہفتوں میں مزید بڑھ گئی جب حوثیوں نے بحیرہ احمر کے ساحلی علاقوں کے تزویراتی حصوں پر قبضہ کر لیا جن میں باب المندب آبنائے کے قریب بندرگاہ مخا بھی شامل ہے۔ سعودی حمایت یافتہ یمنی افواج نے بعد ازاں کہا کہ انہوں نے باب المندب کو محفوظ بنا لیا ہے اور مکمل جنگ کا اعلان کیا۔ سعودی قیادت والے اتحاد نے حوثیوں کے 80 سے زیادہ فوجی مقامات کو نشانہ بنانے کا دعویٰ کیا۔ امریکی سفارت خانے نے اپنے شہریوں کے لیے سکیورٹی الرٹ جاری کرتے ہوئے غیر معمولی احتیاط برتنے کا مشورہ دیا۔ اقوام متحدہ نے بھی لڑائی میں تیزی سے اضافے پر تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ 200,000 سے زیادہ افراد بے گھر ہو چکے ہیں۔

انہی حالات میں 5 اکتوبر کو سعودی عرب، ترکی اور پاکستان نے مکہ معاہدے کے تحت اجتماعی دفاعی وعدوں پر فوری عمل درآمد کا اعلان کیا۔ اس اتحاد کی سیاسی اور دفاعی تزویراتی کمیٹی کے ہنگامی اجلاس کے بعد کہا گیا کہ مشترکہ فوجی صلاحیتوں اور دستوں کی فراہمی کے ساتھ ضرورت پڑنے پر ان کی سعودی عرب میں فوری تعیناتی کے اقدامات کیے جائیں گے۔ پاکستان کے ریٹائرڈ جنرل نعمان محمود کو تین برس کے لیے اتحاد کا پہلا سیکریٹری جنرل مقرر کیا گیا۔ یہ فیصلہ حوثی حملوں کے تناظر میں سامنے آیا جب بعض رپورٹس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حوثیوں کے خلاف براہ راست فوجی کارروائی کی سعودی درخواستیں مسترد کر دی تھیں اور صرف انٹیلی جنس معاونت فراہم کی جا رہی تھی۔

ماہرین اس پیش رفت کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں۔ فاؤنڈیشن فار مڈل ایسٹ پیس کے سابق نائب صدر مچل پلیٹنک کے مطابق حالیہ واقعات نے سعودی امریکی سکیورٹی تعلقات کو نئے امتحان سے دوچار کر دیا ہے۔ ان کے بقول دوسری عالمی جنگ کے بعد قائم غیر تحریری مفاہمت جس کے تحت سعودی عرب توانائی کی فراہمی اور امریکہ سکیورٹی تحفظ فراہم کرتا رہا اب مکمل اور غیر مشروط نہیں رہا۔ وہ ستمبر 2019 کے آرامکو حملوں کی مثال دیتے ہیں جب امریکہ نے براہ راست فوجی کارروائی نہیں کی۔ آرون ڈیوڈ ملر کا موقف ہے کہ ٹرمپ انتظامیہ ایران کے ساتھ وسیع تصادم سے گریز کرنا چاہتی تھی خاص طور پر 2025 کے 'راف رائیڈرز' آپریشن کے تجربے کے بعد۔ عمرو حمزاوی کے نزدیک امریکہ کا انٹیلی جنس تعاون فوجی کردار کی حدود کو ظاہر کرتا ہے نہ کہ سعودی عرب سے دوری کو۔ سالم الیامی کا کہنا ہے کہ امریکہ خود بھی سعودی عرب جیسے اتحادی سے دوری کا متحمل نہیں ہو سکتا اور موجودہ صورتحال ریاض کی وسیع حکمت عملی کا حصہ ہے جس کا مقصد شراکت داریوں میں تنوع لانا ہے۔

مکہ اتحاد کو ماہرین امریکہ کا متبادل نہیں بلکہ ایک اضافی حفاظتی تہہ قرار دیتے ہیں۔ آرون ڈیوڈ ملر کے مطابق اس میں دنیا کا بڑا تیل پیدا کرنے والا ملک، جوہری طاقت اور نیٹو رکن شامل ہیں لیکن یہ ابھی وہ صلاحیتیں فراہم نہیں کر سکتا جو امریکہ دہائیوں سے مہیا کرتا رہا ہے۔ حمزاوی اور پلیٹنک دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اتحاد کا بنیادی مقصد سعودی سرزمین اور تنصیبات کا دفاع ہے نہ کہ یمن میں وسیع مہم۔ ترکی کے وزیر خارجہ نے واضح کیا کہ معاہدے کے تحت جارحانہ کارروائیوں کے لیے فوجی تعیناتی لازم نہیں۔

گذشتہ چند برسوں کے تجربے نے سعودی قیادت کو یہ احساس دلایا ہے کہ اگرچہ امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں ایک اہم اور بااثر شراکت دار ہے، لیکن واشنگٹن کی ترجیحات اور پالیسی ترجیحات مختلف حکومتوں کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی سکیورٹی ضمانتوں پر مکمل انحصار کرنا ریاض کے لیے پہلے کی نسبت زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ امریکی وزارتِ خارجہ میں ریپبلکن اور ڈیموکریٹ دونوں ادوار میں چھ صدور کے ساتھ کام کرنے والے آرون ڈیوڈ ملر کے مطابق سعودی عرب ایک ایسے اتحادی کے ساتھ تعلقات رکھتا ہے جس کے بنیادی مفادات تو نسبتاً مستقل رہتے ہیں، لیکن ان مفادات کے حصول کے طریقے، ترجیحات اور سیاسی حساب کتاب وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

مچل پلیٹنک کے نزدیک سعودی عرب اس حقیقت کو پہلے ہی بخوبی سمجھ چکا ہے۔ ان کے مطابق ریاض نے باراک اوباما، ڈونلڈ ٹرمپ، جو بائیڈن اور پھر دوبارہ ٹرمپ انتظامیہ کے ساتھ کام کیا ہے اور وہ جانتا ہے کہ کوئی بھی امریکی حکومت دائمی نہیں ہوتی۔ اسی لیے سعودی پالیسی ساز اب اپنے تعلقات کو کسی ایک شخصیت یا انتظامیہ کے بجائے طویل المدتی مفادات کی بنیاد پر ترتیب دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مچل پلیٹنک کا خیال ہے کہ اسی تجربے نے سعودی قیادت کو مختلف امریکی صدور اور ان کی بدلتی ترجیحات کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کرنے میں پہلے سے زیادہ مہارت فراہم کی ہے۔

دوسری جانب عمرو حمزاوی کے مطابق اصل بحث یہ نہیں کہ سعودی عرب اور امریکہ کے درمیان شراکت داری برقرار رہے گی یا نہیں، بلکہ یہ ہے کہ واشنگٹن ہر بحران اور ہر تنازع میں کس حد تک عملی کردار ادا کرنے پر آمادہ ہوگا۔ ان کے نزدیک یہ مسئلہ کسی ایک امریکی انتظامیہ تک محدود نہیں بلکہ امریکی خارجہ پالیسی کے ایک وسیع تر رجحان کی عکاسی کرتا ہے۔ اسی تناظر میں چک فریلیچ کا مؤقف ہے کہ سعودی عرب امریکہ کا متبادل تلاش کرنے کے بجائے حفاظتی توازن کی حکمتِ عملی اپنا رہا ہے۔ اس پالیسی کا مقصد امریکہ سے دوری اختیار کرنا نہیں بلکہ اپنے دفاعی اور تزویراتی آپشنز کو وسیع کرنا ہے۔

مجموعی طور پر سعودی عرب اپنی سکیورٹی پالیسی میں تنوع پیدا کر رہا ہے تاکہ امریکی ترجیحات کی تبدیلیوں سے متاثر نہ ہو۔ یہ امریکہ سے مکمل دوری نہیں بلکہ دفاعی اختیارات کو وسیع کرنے کی حکمت عملی ہے جس میں مکہ اتحاد ایک اہم قدم ہے۔ حوثی حملے اس عمل کو تیز کر رہے ہیں لیکن ماہرین کے مطابق ریاض ابھی واشنگٹن کی فراہم کردہ سکیورٹی چھتری کا مکمل نعم البدل تلاش نہیں کر سکا اور دونوں شراکت داریاں بیک وقت آگے بڑھ رہی ہیں۔ یمن کی جنگ کے نئے مرحلے میں دونوں فریق اپنی کارروائیوں میں اضافہ کر رہے ہیں جس سے صورتحال مزید پیچیدہ ہو سکتی ہے۔

مہنگائی غربت اور آئی ایم ایف پاکستان کی معیشت کا نیا باب یا پرانی کہانی؟

پاکستان میں غربت میں شدید اضافہ، اصلاحات نہ ہونے کے برابر، روزانہ تین ڈالر پر گزارا، عالمی بینک کی رپورٹ، ماہرین کی تنبیہ۔آئی ایم ایف-پاکستان معاہدے کے پیچھے چھپی سچائی

ساجد خان
(لاہور بیورو)

پاکستان کی معیشت گزشتہ کئی برسوں سے ایک ایسی لہر کی زد میں ہے جو کبھی بلند ہوتی ہے تو کبھی نیچے گرتی ہے، لیکن اس کا بنیادی ڈھانچہ کمزور ہی رہتا ہے۔ حالیہ دنوں میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ کے ساتھ سٹاف لیول معاہدے کی خبر نے ایک بار پھر توجہ مبذول کروائی ہے۔اس معاہدے کے تحت پاکستان تقریباً ایک اعشاریہ دو ارب ڈالر کی قسط حاصل کرنے کا اہل ہو جائے گا، جو سات ارب ڈالر کے توسیعی فنڈ سہولت پروگرام کے چوتھے جائزے اور ایک اعشاریہ چار ارب ڈالر کے ریزیلینس اینڈ سسٹین ایبلٹی فیسلٹی کے تیسرے جائزے کا حصہ ہے۔آئی ایم ایف کے مطابق یہ معاہدہ اس کے ایگزیکٹو بورڈ کی منظوری سے مشروط ہے، اور منظوری کے بعد پاکستان کو ای ایف ایف کے تحت تقریباً ایک ارب ڈالر جبکہ آر ایس ایف کے تحت دو سو دس ملین ڈالر موصول ہوں گے۔اس طرح دونوں پروگراموں کے تحت پاکستان کو دی جانے والی مجموعی رقم تقریباً پانچ اعشاریہ سات ارب ڈالر تک پہنچ جائے گی۔ یہ اعداد و شمار ظاہری طور پر اطمینان بخش لگتے ہیں، لیکن ان کے پیچھے ملک کی معاشی حقیقت کچھ اور ہی کہانی سناتی ہے۔ پاکستان میں اس وقت مہنگائی کا طوفان برپا ہے، جو نہ صرف عام شہریوں کی قوت خرید کو نگل رہا ہے بلکہ غربت کے دائرے کو بھی وسیع کر رہا ہے۔عالمی بینک کی حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں غربت میں شدید اضافہ ہوا ہے، اور خطے کے تقریباً نصف غریب افراد اس ملک میں رہتے ہیں۔ یہ تضاد ہی اس رپورٹ کا مرکز ہے کہ ایک طرف بیرونی امداد اور معاہدے ہو رہے ہیں تو دوسری طرف اندرونی طور پر معاشی مشکلات بڑھ رہی ہیں۔

آئی ایم ایف نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ مشکل بین الاقوامی حالات کے باوجود پاکستان میں پروگرام پر عمل درآمد مجموعی طور پر درست سمت میں رہا ہے۔حکومت میکرو اکنامک استحکام برقرار رکھنے، سرکاری مالیات کو مضبوط بنانے، مہنگائی کو سٹیٹ بینک کے ہدف تک لانے، توانائی شعبے کی اصلاحات، سماجی تحفظ اور پائیدار معاشی ترقی کے لیے اقدامات جاری رکھنے کے لیے پرعزم ہے۔ فنڈ کے مطابق مشرق وسطیٰ کی کشیدگی کے اثرات کے باوجود پاکستان نے معاشی استحکام برقرار رکھا۔ مالی سال چھبیس کی پہلی تین سہ ماہیوں میں حقیقی جی ڈی پی کی شرح نمو چار فیصد رہی، جبکہ پورے مالی سال کے لیے شرح نمو تین اعشاریہ چھ فیصد رہنے کا تخمینہ لگایا گیا ہے۔ستمبر چھبیس میں مہنگائی کی شرح کم ہو کر دس اعشاریہ تین فیصد رہ گئی جبکہ بنیادی افراط زر قابو میں رہی۔ مضبوط ترسیلات زر کی بدولت جاری کھاتہ تقریباً متوازن رہا اور ستمبر کے اختتام تک پاکستان کے زرمبادلہ کے ذخائر اکیس اعشاریہ پانچ ارب ڈالر تک پہنچ گئے۔ پاکستان کی خودمختار کریڈٹ ریٹنگ میں بہتری اور بین الاقوامی مالیاتی منڈیوں تک دوبارہ رسائی حکومتی معاشی پالیسیوں پر بڑھتے اعتماد کی نشاندہی کرتی ہے، تاہم جیوپولیٹیکل کشیدگی، توانائی کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ، عالمی مالیاتی سختی اور تجارتی رکاوٹیں اب بھی اہم خطرات ہیں۔آئی ایم ایف نے مالی سال ستائیس کے بجٹ پر موثر عمل درآمد کو اہم قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت کو جی ڈی پی کے دو فیصد بنیادی سرپلس کے ہدف کے ذریعے سرکاری قرضوں کو پائیدار بنیادوں پر کم کرنا ہوگا۔اس مقصد کے لیے خطرات کی بنیاد پر آڈٹ، ڈیجیٹل انوائسنگ اور تیسرے فریق کے ڈیٹا کے استعمال سمیت ٹیکس اصلاحات جاری رکھی جائیں گی۔ سماجی شعبے کے حوالے سے صحت اور تعلیم پر اخراجات جی ڈی پی کے دو اعشاریہ دو فیصد سے بڑھ کر دو اعشاریہ پانچ فیصد ہو چکے ہیں اور حکومت انھیں مالی سال ستائیس میں دو اعشاریہ آٹھ فیصد تک لے جانے کے لیے پرعزم ہے۔ ہدفی نقد امدادی پروگراموں میں اضافے اور مستحقین کی بہتر رجسٹریشن کے ذریعے کمزور طبقے کے تحفظ کو مزید مضبوط بنایا جائے گا۔ فنڈ نے حکومت کو ایندھن پر سبسڈی کے موجودہ معاونتی پروگرام کو مرحلہ وار ختم کرنے کا مشورہ بھی دیا، جبکہ کسی بھی مستقبل کی امداد کو محدود، عارضی اور صرف مستحق طبقوں تک محدود رکھنے کی سفارش کی۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان پر زور دیا گیا کہ وہ مہنگائی کو مطلوبہ ہدف میں واپس لانے کے لیے مناسب حد تک سخت مانیٹری پالیسی برقرار رکھے، جبکہ شرح مبادلہ میں لچک کو معاشی اثرات سے نمٹنے کے لیے جاری رکھا جائے۔ توانائی کے شعبے کے بارے میں بروقت ٹیرف ایڈجسٹمنٹ اور اصلاحات پر زور دیتے ہوئے کہا گیا کہ گردشی قرضے کے دوبارہ اضافے کو روکنے کے لیے بجلی اور گیس کے شعبوں میں لاگت میں کمی، کارکردگی میں بہتری، نجی شعبے کی شمولیت اور گیس کے نقصانات میں کمی ضروری ہے۔ آرٹیکل فور مشاورت کے دوران معیشت کو زیادہ ویلیو ایڈڈ سرگرمیوں کی جانب منتقل کرنے، نجکاری کے عمل کو آگے بڑھانے، سرکاری اداروں کی گورننس بہتر بنانے، مسابقت بڑھانے، کاروباری و تجارتی رکاوٹیں کم کرنے اور بدعنوانی کے خلاف اداروں کو مضبوط بنانے پر بھی زور دیا گیا۔ موسمیاتی تبدیلی سے متعلق آر ایس ایف پروگرام کے تحت پاکستان پبلک سرمایہ کاری کی منصوبہ بندی، آفات سے نمٹنے کے مالیاتی نظام، آبپاشی کے پانی کی قیمتوں اور وصولیوں، توانائی کی بچت کے معیارات اور ٹرانسپورٹ کے شعبے میں کاربن اخراج کم کرنے کی اصلاحات پر بھی کام جاری رکھے گا۔

یہ تمام بیانات آئی ایم ایف کی طرف سے امید افزا لگتے ہیں، لیکن جب ہم ان کو زمینی حقیقتوں سے ملا کر دیکھتے ہیں تو ایک مختلف تصویر سامنے آتی ہے۔ پاکستان میں مہنگائی کا طوفان اب بھی جاری ہے، اور اگرچہ سرکاری اعداد و شمار میں اس کی شرح میں کمی دکھائی جا رہی ہے، لیکن عام شہریوں کی زندگی میں اس کا اثر اب بھی شدید ہے۔ روزمرہ کی اشیائے ضرورت، خوراک، ایندھن، بجلی اور کرائے کی قیمتوں میں اضافہ لوگوں کی جیبوں کو خالی کر رہا ہے۔اس صورتحال میں عالمی بینک کی رپورٹ نے ایک اور سخت حقیقت کو سامنے لایا ہے۔ منگل کو عالمی بینک کی جانب سے جاری کی گئی مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ، افغانستان اور پاکستان سے متعلق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اس خطے میں روزانہ تین ڈالر سے کم کمانے والے افراد میں سے تقریباً نصف یعنی اڑتالیس فیصد پاکستان میں رہتے ہیں، جبکہ باقی افراد زیادہ تر افغانستان، شام، یمن اور افریقہ کے دیگر ممالک میں مقیم ہیں۔ رپورٹ میں پاکستان کے لیے موجودہ مالی سال کے دوران معاشی شرح نمو تین اعشاریہ آٹھ فیصد، مالیاتی خسارہ تین اعشاریہ پانچ فیصد اور مہنگائی کی شرح آٹھ اعشاریہ دو فیصد رہنے کی پیش گوئی بھی کی گئی ہے۔ عالمی بینک کے مطابق جبوتی، پاکستان، شام اور یمن میں روزانہ تین ڈالر کی آمدن کی بنیاد پر ناپی جانے والی غربت کی شرح بیس فیصد یا اس سے زیادہ ہے۔ پاکستان میں ایک بڑی آبادی روزانہ تین ڈالر، یعنی تقریباً آٹھ سو تیس پاکستانی روپے یا اس سے کم آمدن پر گزارا کرتی ہے۔ یہ اعداد و شمار نہ صرف پریشان کن ہیں بلکہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ معاشی استحکام کے دعووں کے باوجود غربت کا دائرہ تنگ نہیں ہو رہا بلکہ وسیع ہو رہا ہے۔

رپورٹ میں غذائی عدم تحفظ کو بھی ایک اہم مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ عالمی بینک کے مطابق غزہ اور یمن میں غذائی عدم تحفظ کی صورتحال خاص طور پر سنگین ہے جبکہ افغانستان، جبوتی، لبنان اور پاکستان میں بھی اس حوالے سے نمایاں دباؤ موجود ہے۔ عالمی بینک نے خبردار کیا ہے کہ چھبیس کے اختتام تک معمول سے زیادہ شدید ایل نینو موسمیاتی صورتحال خوراک کی قیمتوں میں مزید اضافے کا سبب بن سکتی ہے، جس کے اثرات خاص طور پر غریب طبقے پر پڑیں گے۔ پاکستان مون سون کے نظام میں ممکنہ تبدیلیوں کے باعث اس خطرے سے براہ راست متاثر ہو سکتا ہے۔ رپورٹ کے مطابق آبادی میں اضافے کو مدنظر رکھتے ہوئے پاکستان میں فی کس جی ڈی پی کی حقیقی شرح رواں مالی سال میں دو اعشاریہ دو فیصد رہنے کی توقع ہے، جو گزشتہ سال کی شرح کے تقریباً برابر ہے۔ عالمی بینک نے کہا کہ ملک میں غربت میں اضافے کے پیچھے طویل معاشی دباؤ، روزگار کے محدود ہوتے مواقع اور گھریلو آمدنی میں کمی جیسے عوامل کارفرما ہیں۔

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ کووڈ انیس کی وبا، بائیس کے تباہ کن سیلاب، بلند مہنگائی اور کرنسی کی قدر میں کمی نے بھی غربت میں اضافے میں کردار ادا کیا۔ سیاحت، تعمیرات اور ان سے منسلک شعبوں میں سست روی کی وجہ سے مزدوروں کی طلب کم ہو سکتی ہے اور اس کا اثر ان شعبوں میں آمدنی کے مواقع پر بھی پڑے گا۔ واضح رہے کہ پاکستان سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد روزگار کے لیے دوسرے ممالک کا رخ کرتی ہے۔ پاکستان کے سرکاری ادارے بیورو آف امیگریشن اینڈ اوورسیز ایمپلائمنٹ کے اعداد و شمار کے مطابق رواں سال ستمبر تک چار لاکھ ستائیس ہزار چار سو پینتیس ہنرمند افراد ملک سے باہر گئے، جبکہ گزشتہ سال یہ تعداد سات لاکھ تریسٹھ ہزار پانچ سو چھبیس تھی۔ دوسری جانب خدمات، مینوفیکچرنگ اور مویشیوں کی پیداوار کے شعبوں کے نسبتاً مستحکم رہنے کی توقع ظاہر کی گئی ہے، اگرچہ درآمدی لاگت میں اضافے کا دباؤ برقرار رہے گا۔ رپورٹ کے مطابق اجناس اور ٹرانسپورٹیشن پر آنے والی زیادہ لاگت سے مہنگائی اور بیرونی مالی توازن پر دباؤ بڑھنے کا امکان ہے، تاہم ملکی معاشی سرگرمیوں میں مسلسل مضبوطی سے اس دباؤ کا اثر کم ہونے کی توقع ہے۔

عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں مشرق وسطیٰ میں کشیدگی اور امریکہ ایران تنازع کے ممکنہ معاشی اثرات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق تیل درآمد کرنے والے ممالک، جن میں پاکستان، مصر، اردن، مراکش، تیونس اور جبوتی شامل ہیں، بڑھتی ہوئی توانائی اور خوراک کی قیمتوں کے باعث اضافی دباؤ کا سامنا کر رہے ہیں۔ ان ممالک کو مہنگائی، مالی گنجائش میں کمی، خلیجی معیشتوں سے ترسیلات زر میں ممکنہ کمی اور قرض لینے کی بڑھتی لاگت جیسے چیلنجز درپیش ہیں۔ خطے کی حکومتوں کو بیک وقت کئی مسائل سے نمٹنا پڑ رہا ہے۔ ایک طرف انھیں بڑھتی قیمتوں سے متاثرہ افراد کو ریلیف فراہم کرنا ہے جبکہ دوسری جانب تنازعات سے پیدا ہونے والی انسانی ضروریات کو بھی پورا کرنا ہے۔ رپورٹ میں پاکستان نے ایندھن استعمال کرنے والوں اور زرعی شعبے والوں کے لیے امداد متعارف کرائی ہے۔

اس رپورٹ پر ردعمل دیتے ہوئے وزیر خزانہ کے مشیر خرم شہزاد نے سوشل میڈیا پر جاری ایک بیان میں کہا کہ عالمی بینک نے پاکستان کو مشرق وسطیٰ، شمالی افریقہ اور افغانستان کے ساتھ ایک انتظامی اور شماریاتی درجہ بندی میں شامل کیا ہے، تاہم اس سے نہ تو پاکستان کی جغرافیائی شناخت بطور جنوبی ایشیائی ملک تبدیل ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی آمدنی کی درجہ بندی۔ خرم شہزاد نے کہا کہ پاکستان کی بڑی آبادی کو میناپ میں شامل کیے جانے کے بعد علاقائی سطح پر غربت، آبادی اور فی کس آمدنی کے اعداد و شمار میں نمایاں تبدیلی آ سکتی ہے۔ ان کے مطابق خطے کی بہت سی معیشتوں کے مقابلے میں پاکستان کی آبادی زیادہ ہے، جو علاقائی اوسط پر نمایاں اثر ڈال سکتی ہے۔ خرم شہزاد کا کہنا تھا کہ ایسے بیانات جن سے یہ تاثر ملتا ہو کہ اب میناپ خطے کے تقریباً نصف غریب پاکستان میں رہتے ہیں گمراہ کن ہیں، کیونکہ پاکستان کی شمولیت کے بعد اس کی آبادی اور غربت کے اعداد و شمار بھی علاقائی مجموعے کا حصہ بن گئے ہیں۔(باقی صفحہ 15 پر)

معظم خان

خیبر پختونخوا کی موجودہ سیاسی، سیکیورٹی اور آئینی صورتحال نے ملک بھر میں ایک نئی بحث کو جنم دے دیا ہے جو نہ صرف صوبائی خود مختاری بلکہ وفاقی وحدت، آئینی توازن اور قومی سلامتی کے بنیادی سوالات کو چھیڑ رہی ہے۔ گورنر خیبر پختونخوا فیصل کریم کنڈی کے حالیہ بیانات، خاص طور پر برطانوی نشریاتی ادارے اردو کو دیے گئے خصوصی انٹرویو میں، صوبے کی صورتحال کو ''نالائق حکومت'' کے تحت مسلط قرار دینا، گورنر ہاؤس میں اعلیٰ افسران کے اجلاس کو آئینی قرار دینا، اور آرٹیکل 232 و 234 کے تحت ایمرجنسی یا گورنر راج کے امکان کا کھلا اظہار اس بحث کا مرکزی نقطہ بن گیا ہے۔ اس کے جواب میں وزیر اعلیٰ سہیل آفریدی نے گورنر کے اجلاس کو آئین اور جمہوریت پر حملہ قرار دیا، دو تہائی اکثریت والی منتخب حکومت کی موجودگی میں ایسے اقدامات کو غیر آئینی قرار دیا، اور "ایک اور مشرقی پاکستان" بنانے کی سازش کا الزام لگایا۔

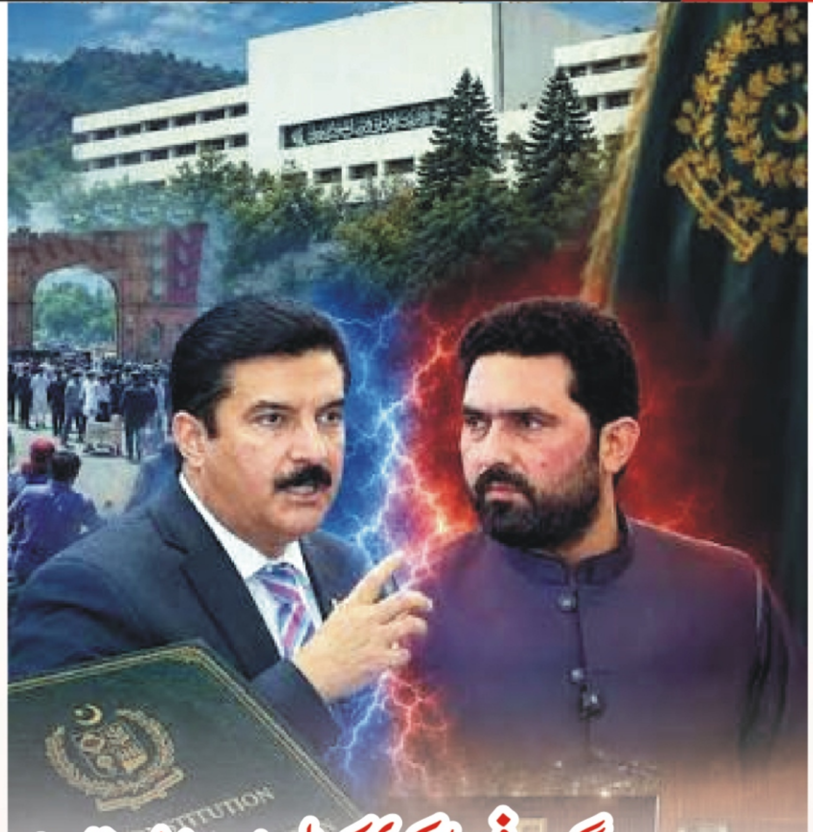

خیبر پختونخوا پر نالائق حکومت مسلط ہے، گورنر فیصل کریم کنڈی کا سخت موقف:

پی ٹی آئی لانگ مارچ، دہشت گردی اور آئینی اختیارات کے تناظر میں ملکی صورتحال کا جامع جائزہ

گورنر ہاؤس میں ہوئے اجلاس کا مقصد صورتحال سے آگاہی تھی: فیصل کنڈی

ان بیانات کے پس منظر میں تحریک انصاف کا لانگ مارچ، صوبے میں بڑھتی ہوئی دہشت گردی، افغان پناہ گزینوں کا مسئلہ، وفاقی اور صوبائی حکومت کے درمیان سیکیورٹی تعاون کی عدم موجودگی، اور سیاسی مذاکرات کی ناکامی نے صورتحال کو انتہائی پیچیدہ اور حساس بنا دیا ہے۔ یہ آرٹیکل گورنر کے بیان، وزیر اعلیٰ کے ردعمل، لانگ مارچ کی حرکیات، آئینی اختیارات، تاریخی نظائر، سیکیورٹی چیلنجز اور ملکی سیاست پر ممکنہ اثرات کا تفصیلی، جامع اور متوازن جائزہ پیش کرتا ہے تاکہ قارئین موجودہ بحران کی گہرائی کو سمجھ سکیں۔

گورنر فیصل کریم کنڈی نے اپنے انٹرویو میں واضح کیا کہ آئین کے تحت کسی بھی صوبے کا گورنر صوبائی امور اور امن و امان کی صورتحال پر اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ ان کے مطابق حالیہ دنوں میں بلائے گئے اجلاس کا مقصد صرف صوبے کی صورتحال سے آگاہی حاصل کرنا تھا، نہ کہ کوئی ہدایات جاری کرنا یا انتظامی مداخلت کرنا۔ انہوں نے زور دیا کہ انہوں نے آئی جی پولیس سے کسی ٹرانسفر یا پوسٹنگ کا مطالبہ نہیں کیا اور نہ ہی چیف سیکرٹری سے فنڈز کے بارے میں کوئی بات کی۔ صرف صوبے کی مجموعی صورتحال، دہشت گردی، افغان پناہ گزینوں اور دیگر اہم مسائل پر بریفنگ لی گئی۔ گورنر کے بقول اگر اجلاس میں کوئی ہدایات جاری کی جاتیں تو وہ میڈیا کے ذریعے سامنے آ جاتیں۔ انہوں نے صوبائی حکومت پر الزام لگایا کہ وہ ان معاملات میں سنجیدگی کا مظاہرہ نہیں کر رہی، بلکہ افغان شہریوں کے حوالے سے ایسا موقف رکھتی ہے کہ وہ اس ملک سے جائیں ہی نہ۔ یہ بیان اس تناظر میں اہم ہے کہ گورنر ہاؤس میں وفاقی وزیر داخلہ محسن نقوی، چیف سیکرٹری اور آئی جی کی موجودگی میں ہونے والی ملاقات میں لانگ مارچ کے دوران دہشت گردوں کو سیکیورٹی چیک پوسٹوں سے عبور کرنے کی سہولت کاری کے خدشات پر تشویش کا اظہار کیا گیا تھا اور یہ فیصلہ ہوا کہ صوبے کو دہشت گردوں کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ گورنر نے واضح کیا کہ یہ نارمل بات چیت تھی جو صوبے کے حوالے سے ہوتی ہے۔

وزیر اعلیٰ سہیل آفریدی نے اس اجلاس پر شدید ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اسے آئین اور جمہوریت پر حملہ قرار دیا۔ صوبائی کابینہ کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ صوبے میں عوام کی دو تہائی اکثریت سے منتخب حکومت موجود ہے، صوبائی اسمبلی، کابینہ اور حکومت مکمل طور پر فعال ہیں، ایسے میں گورنر کی جانب سے چیف سیکرٹری اور آئی جی کو طلب کر کے اجلاس کی صدارت کرنا قابل مذمت اور غیر آئینی ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ وزیر اعلیٰ کو ہٹانے کا آئینی طریقہ کار موجود ہے جو عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے ہوتا ہے، اور کسی کو جمہوری مینڈیٹ پر شب خون مارنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وزیر اعلیٰ نے ایڈووکیٹ جنرل سے اس اجلاس کی آئینی حیثیت کے بارے میں رائے لینے کا اعلان کیا اور چیف سیکرٹری و آئی جی کو ہدایت کی کہ کسی غیر آئینی یا غیر قانونی حکم پر عمل نہ کیا جائے۔ انہوں نے پیپلز پارٹی پر الزام لگایا کہ اس کے اقدامات سے ایک اور مشرقی پاکستان بنانے کی کوشش نظر آ رہی ہے، اور وفاقی حکومت کے رویے کو خیبر پختونخوا کے ساتھ سوتیلی ماں جیسا قرار دیا۔ سہیل آفریدی نے پہلے بھی گورنر راج یا ایمرجنسی کی دھمکیوں پر اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹنے کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر ان کی تجویز کردہ نئی پالیسی پر عمل کیا جائے تو سو دن میں صوبے میں امن بحال ہو سکتا ہے۔

پی ٹی آئی کا لانگ مارچ اس تمام صورتحال کا اہم محرک ہے۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد مارچ ۱۴ اکتوبر ۲۰۲۶ کے قریب لکی مروت سے شروع ہوا اور مختلف اضلاع سے گزرتا ہوا خیبر پختونخوا پنجاب سرحد کی طرف بڑھا۔ گورنر نے لانگ مارچ کے حوالے سے کہا کہ پرامن احتجاج ہر جماعت کا آئینی اور قانونی حق ہے، جیسا کہ جماعت اسلامی کے احتجاج پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا، لیکن پی ٹی آئی کے ماضی کے مظاہروں میں انتشار دیکھنے میں آیا ہے۔ انہوں نے جنید اکبر اور وزیر اعلیٰ کے بیانات کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ اسلام آباد میں کیا کرتوت کرنے جا رہے ہیں، مگر اس دفعہ ایسی گنجائش نہیں ملے گی جیسا کہ محسن نقوی نے کہا۔ گورنر نے مذاکرات کے حوالے سے وزیر اعظم شہباز شریف کی متعدد دعوتوں کا ذکر کیا جو اپوزیشن نے سنجیدگی سے نہیں لیں، اور کہا کہ یہ لوگ مذاکرات والے نہیں ہیں۔ محمود خان اچکزئی جیسے سلجھے سیاستدان بھی پی ٹی آئی میں جا کر انہی میں گھل مل گئے، جو وزیر اعظم ہاؤس یا پارلیمان جانے سے انکار کرتے ہیں۔ گورنر کے مطابق حالیہ مذاکرات میں پی ٹی آئی کے چیئرمین، سیکرٹری جنرل اور سینئر رہنما بیٹھے تھے، مذاکرات فائنل ہو گئے مگر واپس آ کر انہوں نے نہ کر دی۔

آئینی پہلو اس بحث کا سب سے حساس حصہ ہے۔ گورنر نے آرٹیکل ۲۳۲ اور ۲۳۴ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر صدر، وزیر اعظم اور متعلقہ ادارے سمجھیں کہ صوبے کو بچانے کے لیے ایمرجنسی یا گورنر راج لگانے کی گنجائش موجود ہے تو آئین کے مطابق ایسا کر سکتے ہیں۔ انہوں نے تاریخی نظائر پیش کیے کہ پیپلز پارٹی نے ایمرجنسی لگا کر بلوچستان میں اپنی ہی حکومت ختم کی، پنجاب میں بھی لگائی گئی، اور خیبر پختونخوا میں حیات شیرپاؤ اور غنی خان کے دور میں گورنر راج لگا تھا۔ گورنر کا موقف ہے کہ اگر سیاسی لوگ سمجھتے ہیں کہ آئین میں یہ شق غلط ہے تو ۵۸ ٹو بی کی طرح اسے ختم کر دیں، لیکن جب تک لکھی ہوئی ہے تو آئین کی کتاب کے مطابق چلیں گے۔ انہوں نے واضح کیا کہ اس وقت خیبر پختونخوا میں گورنر راج نہیں بلکہ ''نالائق حکومت'' مسلط ہے۔ اگر چیف ایگزیکٹو کو یہ نہیں پتا کہ ان کے لوگ کس نے اٹھائے اور وہ انہیں واپس نہیں لا سکتا تو اخلاقی طور پر استعفیٰ دے دینا چاہیے۔ جب کوئی کہتا ہے کہ ہماری کوئی بات نہیں مانتا تو اس کا مطلب ہے کہ اسے اپنے اختیارات استعمال کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔

سیکیورٹی صورتحال اس بحران کی جڑ ہے۔ صوبے میں دہشت گردی کے واقعات، ڈی آئی خان، ٹانک، کوہاٹ اور ہنگو میں پیش آنے والے واقعات، اور افغان پناہ گزینوں کا مسئلہ گورنر کی تشویش کا باعث ہیں۔ گورنر ہاؤس کے اجلاس میں انسداد دہشت گردی، پبلک آرڈر اور جرائم پر بریفنگ دی گئی۔ پولیس حکام نے جدید اسلحے کی خریداری میں تاخیر اور افرادی قوت کے مسائل اٹھائے۔ گورنر نے سیکیورٹی فورسز کی قربانیوں کو خراج تحسین پیش کیا اور وسائل بڑھانے پر زور دیا۔ وفاقی اور صوبائی حکومت کے درمیان سیکیورٹی اور مالی مسائل پر اجلاس ہوتے ہیں مگر صوبائی حکومت ان میں شریک نہیں ہوتی۔ ہیوی مکینیکل کمپلیکس کے فنڈز کے حوالے سے وزیر اعلیٰ کے بیان کا جواب دیتے ہوئے گورنر نے کہا کہ ریکارڈ کے مطابق سامان مقررہ شیڈول کے تحت فراہم کیا جا رہا ہے۔

ملکی سیاست پر اس صورتحال کے اثرات گہرے ہیں۔ وفاقی حکومت اور پی ٹی آئی کے درمیان مذاکرات کی ناکامی، لانگ مارچ، اور گورنر راج کے امکان نے سیاسی درجہ حرارت کو بڑھا دیا ہے۔ اگر گورنر راج یا ایمرجنسی نافذ ہوتی ہے تو یہ نہ صرف صوبائی سیاست بلکہ قومی سطح پر جمہوری عمل پر سوالات اٹھائے گا۔ تاریخی طور پر ایسے اقدامات نے قلیل مدتی استحکام تو دیا مگر طویل مدتی مسائل کو حل نہیں کیا۔ خیبر پختونخوا میں دہشت گردی کے خلاف مؤثر حکمت عملی، افغان پناہ گزینوں کا منظم انتظام، اور سیاسی مذاکرات کے ذریعے تنازعات کا حل ہی مستقل امن کی ضمانت ہو سکتا ہے۔ گورنر اور وزیر اعلیٰ کے بیانات کے درمیان فرق آئینی کردار اور سیاسی اختیار کے توازن کی عکاسی کرتا ہے، جو پاکستان کی وفاقی ساخت کے لیے ایک اہم امتحان ہے۔ موجودہ حالات میں تمام فریقین کو آئین کی بالادستی، قومی مفاد اور عوام کی فلاح کو ترجیح دینی چاہیے تاکہ صورتحال مزید بگڑنے سے بچ سکے۔ O

> آئین کے تحت کسی بھی صوبے کا گورنر صوبائی امور اور امن و امان کی صورتحال پر اجلاس طلب کر سکتا ہے۔ ان کے مطابق حالیہ دنوں میں بلائے گئے اجلاس کا مقصد صرف صوبے کی صورتحال سے آگاہی حاصل کرنا تھا، نہ کہ کوئی ہدایات جاری کرنا یا انتظامی مداخلت کرنا۔ فیصل کریم کنڈی

مشرق وسطیٰ میں جنگ کا فائدہ امریکہ اور اسرائیل کو ہوگا

فرانس اور برطانیہ کی جانب سے اقوام متحدہ میں اسرائیل کی مذمت اور فلسطینی ریاست کے قیام کا مطالبہ اہم ہے

پاکستان کے لئے بھی بہترین راستہ جذباتی فیصلے کے بجائے اپنے قومی مفادات اور معاہدے کی ذمہ داریوں میں توازن قائم کرنا ہوگا۔

پروفیسر ڈاکٹر واجد خان

وزیراعظم پاکستان شہباز شریف نے 25 ستمبر 2026ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 81 ویں اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے عالمی امن، سفارت کاری اور بین الاقوامی تعاون کو مضبوط بنانے کی ضرورت پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ دنیا کے پاس دو choices ہیں۔ جنگ یا امن۔ دنیا کو امن کی طرف جانا چاہیے۔ پاکستان نے دنیا میں امن قائم کرنے کی لئے ایران اور امریکہ کے مابین جنگ بند کروائی اور دونوں کو طویل عرصے کے بعد مزاکرات کیلئے ایک ٹیبل پر بٹھایا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان انڈیا اور افغانستان کی مسلط کردہ دہشت گردی میں لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر دنیا کو اس ناسور سے بچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وزیراعظم نے جنوبی ایشیا میں پائیدار امن کے لیے جموں و کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے انہیں حقِ خودارادیت دینے کی بات کی۔ انہوں نے غزہ میں اسرائیلی جارحیت کی مزمت کرتے ہوئے دنیا میں امن قائم کرنے کے لئے فلسطین کے مسئلے کے حل پر ذور دیا۔ انہوں نے موسمیاتی تبدیلی جیسے اہم عالمی چیلنجز پر پاکستان کا موقف پیش کیا۔

امریکہ کے صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ایران مشرق وسطیٰ میں جو کچھ کرتا رہا ہے وہ اب نہیں کرسکتا۔ ایران کسی صورت ایٹمی ہتھیار نہیں رکھ سکتا۔ ٹرمپ کا کہنا تھا کہ تہران سے معاہدہ کرنا چاہا لیکن ایران نے انکار کردیا۔ انہوں نے اپنے اس موقف کو دوہرایا کہ انہیں یقین ہے کہ مڈٹرم الیکشن کے بعد ایران سے ڈیل ہوجائے گی۔ انہوں نے کہا کہ ایران دیکھنا چاہتا ہے کہ مڈٹرم الیکشن میں میری پوزیشن کیا رہتی ہے لیکن ایرانیوں کو احساس نہیں کہ میں تو مڈٹرم الیکشن میں حصہ ہی نہیں لے رہا۔ اپنے خطاب میں امریکی صدر نے کہا دعویٰ کیا کہ امریکی بحریہ نے آبنائے ہرمز سے ایک ارب بیرل تیل نکلوایا ہے۔ انہوں نے جنرل اسمبلی اجلاس سے خطاب میں ایک بار پاکستان اور بھارت سمیت اٹھ جنگیں ختم کرانے کا ذکر کیا اور شہباز شریف سے سائیڈ لائین ملاقات میں انہیں فنٹاسٹک وزیراعظم قرار دیا۔ ٹرمپ نے مزید کہا کہ کوئی بھی عالمی ادارہ امریکا پر اپنا ایجنڈا مسلط کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اقوام متحدہ میں ایرانی صدر نے امریکی صدر کے خطاب پر شدید ردعمل دیتے ہوئے اپنے خطاب میں کہا کہ ہم دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ خود دہشت گردی کا شکار ہیں۔ انہوں نے دنیا میں عدم استحکام اور کشیدگی کا ذمہ دار امریکا اور اسرائیل کو ٹھہرایا۔ خطاب کے دوران انہوں نے سابق ایرانی سپریم لیڈر ا?یت اللہ علی خامنہ ای اور حملوں میں جاں بحق ہونے والے بچوں کی تصاویر بھی دکھائیں۔ مسعود پزشکیان نے واضح کیا کہ ایران بات چیت اور سفارت کاری کے لیے تیار ہے، لیکن وہ دباو?، دھمکیوں یا کسی بھی قسم کی غنڈہ گردی کے سامنے ہرگز سر نہیں جھکائے گا۔ انہوں نے اس بات کی تردید کی کہ ایران کوئی جوہری ہتھیار بنانا چاہتا ہے، البتہ ملکی ترقی اور توانائی کے حصول کے لیے اپنے پرامن جوہری پروگرام کو جاری رکھنے کے عزم کا اعادہ کیا۔

فرانس کے صدر میکرون اپنی تقریر میں غزہ پالیسی پر برس پڑے اور برطانوی وزیراعظم نے اپنی تقریر میں اسرائیل پر تنقید کرتے ہوئے فلسطینی ریاست کیلئے بین الاقوامی حمایت کے مطابق عملی اقدامات کرنے پر زور دیا۔

ترکیہ کے صدر نے اپنے خطاب میں مکہ معاہدے پر تنقید کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہم نے تو ابھی آغاز کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کے خلاف دشمنی وبا کی طرح پھیل رہی ہے۔ یہ تو اقوام متحدہ میں عالمی سطح پر متحرک کچھ رہنماوں کی تقاریر کے اہم نقاط تھے۔ اس دوران امریکہ اور ایران کے مابین رابطے جاری ہیں اور ایرانی وزیر خارجہ عراقچی نے اس بات کی تائید کی ہے کہ قطر کے ذریعے امریکہ سے رابطہ ہوا ہے۔ اسی طرح ایرانی صدر کو جنرل اسمبلی سے خطاب کے لئے امریکہ کی طرف سے ویزہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی ایک مثبت پیش رفت ہے اور اس موقع پر ٹرمپ اور پزشکیان کی سائیڈ لائین ملاقات کی توقع بھی ظاہر کی جارہی ہے جبکہ پاکستانی وزیر داخلہ نے بھی گزشتہ دنوں ایران کا دورہ کر کے ایرانی ذمہ داران سے ملاقاتیں کی ہیں۔

دوسری طرف حوثیوں کی طرف سے مکہ 'سعودی تنصیبات پر حملوں اور یمن میں بڑھتی ہوئی سرگرمیوں نے پاکستان اور ترکی کو امتحان میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ مکہ معاہدے کی سب سے اہم شق یہ ہے کہ تینوں ممالک میں سے کسی ایک پر مسلح حملہ تینوں ممالک پر حملہ تصور کیا جائیگا اور کسی بھی دفاعی معاہدے کی اصل آزمائش اس وقت ہوتی ہے جب اسکی شقوں کو عملی طور پر نافذ کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ اسی لئے سعودی عرب پر حوثیوں کے حملے کو پاکستان 'ترکیہ اور مکہ دفاعی اتحاد کے لیے چیلنج قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسری طرف امریکہ کے حوثیوں کے ساتھ تعاون اور معاہدے بھی معنی خیز ہیں۔ ٹرمپ نے شہزادہ سلمان کی درخواست کے باوجود حوثیوں پر حملہ کرنے سے انکار کردیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ترکی اور پاکستان اپنے اتحادی سعودی عرب کی مدد کے لیے کس طرح اور کتنی جلدی پہنچتے ہیں۔ سعودی حکام کے مطابق حوثیوں کے حملوں میں ڈرونز اور میزائل استعمال کیے گئے ہیں جن میں 73 شہری زخمی ہوئے جبکہ ابہا، جازان اور نجران سمیت کئی علاقوں میں مختلف مقامات کو نشانہ بنایا گیا۔ ان میں شاہ خالد ایئر بیس، ابہا انٹرنیشنل ایئرپورٹ اور سعودی سرکاری تیل کمپنی آرامکو کی تنصیبات بھی شامل ہیں۔ حوثی ترجمان یحییٰ سریع نے خبردار کیا ہے کہ اگر یمن میں سعودی کارروائیاں جاری رہیں تو مزید حملے کیے جائیں گے جبکہ سعودی عرب کی قیادت میں قائم فوجی اتحاد نے حملوں کا سخت جواب دینے کا عزم ظاہر کیا ہے۔ پاکستان کے وزیراعظم شہباز شریف نے مکہ پر ڈرون حملے اور سعودی عرب پر حوثیوں کے حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ ہم سعودی عرب کی خودمختاری، سلامتی اور علاقائی سالمیت کے لیے اپنی مستقل حمایت کا اعادہ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستان کے وزیرِ دفاع خواجہ ا?صف کا کہنا ہے کہ اگر بلااشتعال جارحیت جاری رہتی ہے یا یمن میں جاری تنازع کے اثرات سعودی عرب تک پہنچتے ہیں تو اس صورت میں مکہ دفاعی معاہدہ فعال ہوجائے گا۔

ترکی نے بھی حوثیوں کے حملوں کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے سعودی عرب کی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کے لیے اپنی حمایت کا اعادہ کیا ہے۔ ترک وزارت خارجہ کے مطابق یہ حملے یمن کے تنازع کے پائیدار سیاسی حل کے لیے جاری سفارتی کوششوں کو بھی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ ترکی نے حوثیوں سے اپنی جارحانہ کارروائیاں فوری طور پر بند کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان حملوں کے بعد پاکستان، سعودی عرب اور ترکی کے مابین ہونے والے مکہ دفاعی معاہدے کو ایک بڑے امتحان کا سامنا ہے اس پس منظر میں یہ اہم سوال سامنے ا? رہا ہے کہ حالیہ حملوں جو یقیناً پاکستان اور مکہ معاہدے کے لیے چیلنج بن رہا ہے اور ایسی صورتحال میں پاکستان کا ممکنہ کردار کیا ہوسکتا ہے؟

پاکستان کا موقف ہے کہ مکہ معاہدہ کسی ملک کے خلاف نہیں دفاعی نوعیت کا ہے اور اس میں خطے کا کوئی بھی ملک شامل ہوسکتا ہے۔

حوثیوں نے اس سے قبل سعودی عرب کی بحیرہء احمر کے راستے تیل کی ترسیل کو بھی نشانہ بنانے کی دھمکی دی ہے جبکہ سعودی تیل کی تنصیبات اور ٹینکرز پر حملوں نے خطے میں توانائی کی ترسیل اور بحری ا?مد و رفت کے تحفظ سے متعلق خدشات میں اضافہ کیا ہے۔ سعودی عرب کی قیادت میں قائم فوجی اتحاد نے حملوں کا سخت جواب دینے کا عزم ظاہر کیا ہے تاہم اس کا دائرہ اور نوعیت ابھی واضح نہیں ہے جبکہ سعودی وزیر خارجہ شہزادہ فیصل بن فرحان نے کہا کہ اگرچہ سفارتی راستہ اب بھی کھلا ہے تاہم مملکت اپنے دفاع میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کرے گی۔ بعدازاں حوثیوں کے زیرِ انتظام ذرائع ابلاغ نے دعویٰ کیا ہے کہ سعودی جنگی طیاروں نے یمن کے مختلف علاقوں میں فضائی حملے کیے ہیں۔

امریکہ نے بھی اس معاملے میں ایران پر تنقید کی ہے۔ امریکی وزیر خارجہ مارکو روبیو نے کہا ہے کہ حوثی کئی حوالوں سے ایران کے پراکسی ہیں اور بعض حملوں کے پیچھے ایرانی کردار واضح دکھائی دیتا ہے۔ دوسری جانب اقوام متحدہ، یورپی یونین، مصر، اردن اور روس نے کشیدگی میں اضافے

پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے فریقین سے تحمل اور سفارتی حل کی طرف واپسی کا مطالبہ کیا ہے۔ یہ حملے ایسے وقت میں ہوئے ہیں جب یمن میں کئی برسوں کی شدید لڑائی جاری ہے۔ حوثی افواج اور بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ یمنی حکومت کی فورسز باب المندب آبنائے کے قریب اور تعز، مرب اور الجوف سمیت مختلف محاذوں پر برسرِ پیکار ہیں۔ حالیہ جھڑپوں میں 300 سے زیادہ جنگجو اور متعدد شہری ہلاک ہو چکے ہیں جبکہ اقوام متحدہ نے خبردار کیا ہے کہ اگر لڑائی دائرہ بڑھا تو اس سے نہ صرف یمن بلکہ پورے خطے کے استحکام کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔

پاکستان کے وزیرِ دفاع خواجہ آصف کا کہنا ہے کہ اگر بلااشتعال جارحیت جاری رہتی ہے یا یمن میں جاری تنازع کے اثرات سعودی عرب تک پہنچتے ہیں تو اس صورت میں مکہ دفاعی معاہدہ فعال ہوجائے گا۔ تاہم ان کا کہنا تھا کہ انھیں ابھی تک سعودی عرب کی جانب سے پاکستان سے کسی رابطے کا علم نہیں ہے اور یہ ایسا جارحانہ معاہدہ نہیں کہ تینوں ممالک مل کر کسی پر اپنی طرف سے حملہ کردیں۔ خواجہ آصف نے امید ظاہر کی کہ صورتحال قابو میں آجائے گی اور کشیدگی میں کمی آئے گی امید رکھی جانی چاہیے کہ امن کا کوئی راستہ نکلے گا اور یاد دلایا کہ فیلڈ مارشل عاصم منیر بھی ایران کا دورہ کر چکے ہیں۔ سعودی مصنف اور تجزیہ کار علی الشابی کے مطابق ریاض غالباً حوثیوں کے ساتھ ایک طویل مدتی تنازع کی تیاری کر رہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سعودی عرب اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ حوثی قابلِ فہم رویہ اختیار نہیں کر رہے اور ان کے ساتھ کسی سیاسی سمجھوتے تک پہنچنے کے امکانات بہت کم ہیں۔

کنگز کالج لندن سے وابستہ خلیجی امور کے ماہر اینڈریاس کریگ نے اس سلسلے میں کہا کہ حوثیوں کے حملے سعودی عرب کے ولی عہد محمد بن سلمان جو کے لیے انتہائی پریشان کن صورتِ حال پیدا کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق یمن کے تنازع سے نکلنے کی برسوں سے جاری کوششوں کے بعد اب تحمل کا مظاہرہ کرنے سے یہ خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ حوثیوں کو کشیدگی میں اضافے کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کریگ نے کہا کہ سعودی عرب کا فوری ردِعمل غالباً محدود رہے گا جس میں فضائی حملے، انٹیلیجنس تعاون اور یمنی حکومت کی فورسز کو مزید مضبوط کرنا شامل ہوسکتا ہے۔

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ حالیہ حملے پاکستان اور مکہ دفاعی معاہدے کے لیے آزمائش کیوں سمجھے جا رہے ہیں؟

برطانیہ کی برمنگھم یونیورسٹی میں مشرق وسطیٰ کے امور کے ماہر اور کنگ فیصل سینٹر فار ریسرچ اینڈ اسلامک سٹڈیز سے منسلک ایسوسی ایٹ فیلو عمر کریم کا ماننا ہے کہ ان حملوں اور ان کی شدت یہ ظاہر کرتی ہے کہ سعودی عرب کو حوثیوں کی جانب سے ایک نمایاں خطرے کا سامنا ہے جس میں ان کی توجہ جنوبی صوبوں میں شہری اور فوجی تنصیبات دونوں کو نشانہ بنانے پر مرکوز ہے۔ اس لیے ایسی صورتحال پیدا ہوتی ہے جس میں مکہ معاہدے اور پاکستان-سعودی باہمی دفاعی معاہدے (MSDA) دونوں کو فعال کیا جاسکتا ہے۔ عمر کریم کا کہنا تھا کہ پاکستان پہلے ہی سعودی عرب میں اپنی مسلح افواج تعینات کر چکا ہے اور ان میں سے کچھ فوجی سعودی-یمن سرحد پر بھی تعینات ہیں۔

یاد رہے رواں برس اپریل میں سعودی عرب کی وزارتِ دفاع نے اعلان کیا تھا کہ پاکستان سے ایک فوجی دستہ مشرقی خطے میں واقع شاہ عبدالعزیز فضائی اڈے پر پہنچا ہے۔ سعودی وزارت دفاع کے بیان میں کہا گیا تھا کہ پاکستانی دستہ پاک فضائیہ کے لڑاکا اور معاون طیاروں پر مشتمل ہے جس کا مقصد دونوں ممالک کی مسلح افواج کے درمیان مشترکہ عسکری ہم آہنگی کو مضبوط بنانا، عملی تیاری کے معیار کو بلند کرنا اور علاقائی و بین الاقوامی سطح پر امن واستحکام کے فروغ میں تعاون فراہم کرنا ہے۔ عمر کریم کے مطابق بعض سعودی مصنفین کی تحریروں میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاکستان پہلے ہی یمن میں سعودی عرب کی قیادت میں قائم مشترکہ اتحادی افواج کا حصہ ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان یمن کے معاملے میں پہلے ہی آپریشنل سطح پر اس اتحاد کے ساتھ مربوط ہے۔ وہ سعودی عرب کی قیادت میں قائم کثیر الملکی بحری دفاعی اتحاد کی مثال بھی دیتے ہیں جس کا پاکستان پہلے ہی حصہ ہے (باقی آئندہ)

ریاست تالپور کے آخری حکمران میر جارج علی مراد خان دوم تالپور

والد کی گولی سے بچ نکلنے والا شہزادہ جو ریاست خیرپور کا آخری حکمران بنا

میر جارج علی مراد خان دوم تالپور، جو برطانوی ہندوستان کی کسی بھی سابق شاہی ریاست کے آخری زندہ حکمران مانے جاتے تھے، پانچ اکتوبر 2026 کو پاکستان کے شہر سکھر میں وفات پا گئے۔

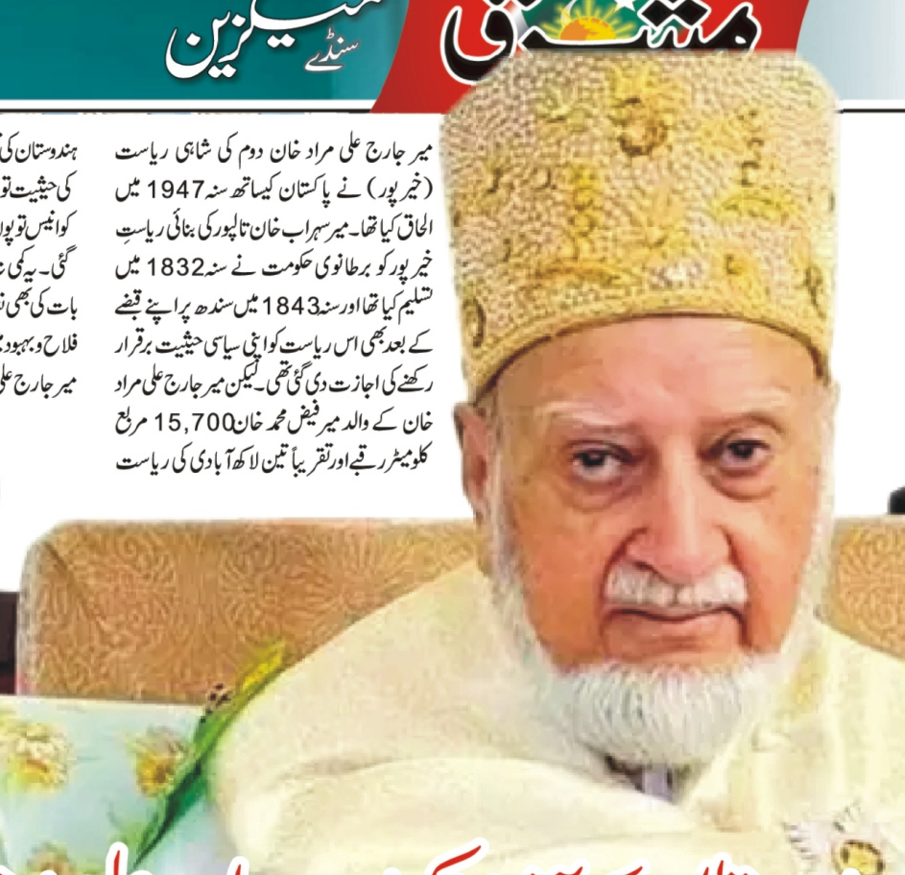

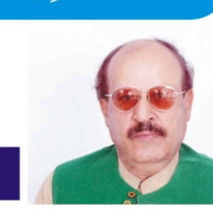

عطاء محمد کاکڑ

5 اکتوبر دو ہزار چھبیس کی صبح جب سندھ کے شہر سکھر کے ایک نجی ہسپتال میں میر جارج علی مراد خان دوم تالپور نے آخری سانس لی تو نہ صرف ایک خاندان بلکہ برطانوی ہندوستان کی شاہی ریاستوں کی پوری تاریخ کا ایک زندہ باب بند ہو گیا۔
29 جون 1933 کو برطانیہ کے علاقے برائٹن (سسیکس) میں پیدا ہونے والے جارج علی مراد، خیرپور کے حکمران میر فیض محمد خان دوم تالپور اور دلہن پاشا بیگم کے اکلوتے شہزادہ تھے، جو بعد میں تینتیس برس کی عمر میں ریاست خیرپور کا آخری حکمران بنا، ان آخری زندہ حکمرانوں میں سے تھا جنھوں نے برطانوی راج کے دور کی شاہی ریاستوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، ان کے زوال کو دیکھا اور پھر پاکستان کے قیام کے بعد نئی ریاست کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا۔ 'رائل آرک' کی تحقیق کے مطابق شہزادے علی مراد خان کے نام میں 'جارج' کا اضافہ اُس وقت کے برطانوی بادشاہ جارج پنجم کے اعزاز میں کیا گیا تھا۔

میر جارج علی مراد خان دوم کی شاہی ریاست (خیرپور) نے پاکستان کیساتھ سنہ 1947 میں الحاق کیا تھا۔ میر سہراب خان تالپور کی بنائی ریاستِ خیرپور کو برطانوی حکومت نے سنہ 1832 میں تسلیم کیا تھا اور سنہ 1843 میں سندھ پر اپنے قبضے کے بعد بھی اس ریاست کو اپنی سیاسی حیثیت برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی تھی۔ لیکن میر جارج علی مراد خان کے والد میر فیض محمد خان 15,700 مربع کلومیٹر رقبے اور تقریباً تین لاکھ آبادی کی ریاست خیرپور کے ایک غیر مؤثر حکمران ثابت ہوئے۔ ان کی وفات پر ضلع خیرپور میں عام تعطیل کا اعلان کیا گیا، کوٹ ڈیجی میں ہزاروں افراد نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی اور سندھ کے وزیرِ اعلیٰ سید مراد علی شاہ سمیت کئی سیاسی و سماجی شخصیات نے تعزیتی پیغامات جاری کیے جن میں ان کی خدمات کو ریاست خیرپور اور سندھ کی تاریخ و ثقافت کے تحفظ سے جوڑا گیا۔ یہ کہانی صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک خاندان، ایک ریاست اور ایک پورے دور کی کہانی ہے جو تالپور خاندان کی بلدی روایت سے شروع ہو کر پاکستان کے ابتدائی سالوں تک پھیلی ہوئی ہے۔
تالپور خاندان کی جڑیں بلوچ قبائل میں ہیں۔ اٹھارویں صدی کے آخر میں میر فتح علی خان تالپور نے کلہوڑا خاندان کو شکست دے کر سندھ پر قبضہ کیا اور تالپور حکمرانی کا آغاز کیا۔ ان کے بھتیجے میر سہراب خان تالپور نے بالائی سندھ میں اپنی الگ شاخ قائم کی اور بُرہان نامی مقام کو خیرپور کا نام دے کر اپنی ریاست کا مرکز بنایا۔ یہ ریاست برطانوی حکومت نے سنہ انیس سو بتیس میں تسلیم کی اور سنہ انیس سو تینتالیس میں سندھ پر برطانوی قبضے کے بعد بھی اسے اپنی سیاسی حیثیت برقرار رکھنے کی اجازت دی گئی۔ تقریباً پندرہ ہزار سات سو مربع کلومیٹر رقبے اور تین لاکھ کے قریب آبادی والی یہ ریاست برطانوی ہندوستان کی تقریباً چھ سو شاہی ریاستوں میں سے ایک تھی جن کی حیثیت توپوں کی سلامی کی تعداد سے طے ہوتی تھی۔ خیرپور کو انیس توپوں کی سلامی حاصل تھی جو بعد میں گھٹ کر پندرہ رہ گئی۔ یہ کمی نہ صرف انتظامی کمزوریوں کی علامت تھی بلکہ اس بات کی بھی نشاندہی کرتی تھی کہ ریاست کے حکمران رعایا کی فلاح و بہبود میں کامیاب نہیں ہو پا رہے تھے۔
میر جارج علی مراد خان کے والد میر فیض محمد خان دوم تالپور اس دور کے حکمران تھے جب ریاست کی حالت بگڑ رہی تھی۔ آسٹریلوی مصنف جان زُبرزیکی نے اپنی کتاب 'ڈی تھرونڈ' میں لکھا ہے کہ ریاست میں رعایا کی بڑی تعداد غریب اور ناخواندہ تھی اور کئی دہائیوں کی بدانتظامی کے نتیجے میں ریاست کی ساکھ متاثر ہوئی۔ میر فیض محمد خان میں وقت گزرنے کے ساتھ ذہنی اور جسمانی امراض کی علامات ظاہر ہوئیں۔ ان کی ذہنی حالت پر اس وقت مزید شکوک پیدا ہوئے جب انہوں نے حادثاتی طور پر اپنے نو ماہ کے بیٹے پر گولی چلا دی۔ گولی بچے کے معدے اور دائیں پھیپھڑے کو چیرتی ہوئی دائیں کندھے کے پچھلے حصے سے باہر نکل گئی۔ معجزانہ طور پر بچہ زندہ بچ گیا اور بعد میں اپنے والد کا جانشین بنا۔ یہ واقعہ نہ صرف خاندان کی ذاتی المیہ کی داستان بن گیا بلکہ ریاست کے مستقبل پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔
سنہ انیس سو چوالیس میں میر فیض محمد خان کو 'شیزوفرینک سمپل' کے مرض میں مبتلا قرار دیا گیا، ان کے اختیارات محدود کر دیے گئے اور پنجاب کے ریزیڈنٹ جے پی تھامپسن نے ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔
سنہ انیس سو سینتالیس میں جب برطانوی ہندوستان کی تقسیم کا عمل تیز ہو رہا تھا تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے سفارش کی کہ میر فیض محمد خان کو باضابطہ طور پر معزول کر دیا جائے اور ان کے نابالغ بیٹے جارج علی مراد کی طرف سے حکومت چلانے کے لیے ایک مجلسِ نیابت قائم کی جائے۔ اس کا مقصد خاندان کے افراد کی جانب سے تختہ الٹنے کی ممکنہ کوشش کو روکنا تھا۔ بیس جولائی انیس سو سینتالیس کو میر فیض محمد خان کو باضابطہ طور پر خیرپور کی حکمرانی سے سبکدوش کر دیا گیا اور علاج کے لیے پونا بھجوا دیا گیا۔ چوبیس جولائی کو چودہ سالہ جارج علی مراد خان کو خیرپور کا حکمران قرار دیا گیا جبکہ وہ ابھی کشمیر کی سیر پر تھے۔ چار اگست انیس سو سینتالیس کو خیرپور حکومت نے اعلامیہ جاری کیا کہ پندرہ اگست کو ریاست کا یومِ آزادی منایا جائے گا لیکن جلد ہی پاکستان سے الحاق کا فیصلہ ہو گیا۔ تین اکتوبر انیس سو سینتالیس کو وزیرِ اعلیٰ غلام حسین خان تالپور نے میر آف خیرپور کی جانب سے دستخط کیے اور نو اکتوبر کو محمد علی جناح نے بھی دستخط کر دیے۔ لاہور کراچی ریلوے لائن کا ایک اہم حصہ ریاست کی حدود سے گزرتا تھا جس کے باعث نئی مملکت پاکستان کے لیے یہ علاقہ خاص اہمیت رکھتا تھا۔
جارج علی مراد خان نے ابتدائی تعلیم سینٹ بوناوینچر ہائی سکول حیدرآباد سے حاصل کی۔ ایچیسن کالج لاہور سے سینیئر کیمبرج کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ مزید تعلیم کے لیے برطانیہ روانہ ہوئے جہاں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ یکم فروری انیس سو انچاس کو ایک اضافی معاہدے کے نتیجے میں ان کے اور دربار کے مؤثر اختیارات میں نمایاں کمی کر دی گئی۔ ریاستی فوج کا انتظام پاکستان کو دے دیا گیا اور ریاست کے وزیرِ اعلیٰ کا تقرر قومی حکومت سے مشاورت کے بعد طے پایا۔ خیرپور گورنمنٹ ایکٹ انیس سو انچاس کے ذریعے نیم جمہوری اصلاحات متعارف کروائی گئیں اور مقامی نمائندوں پر مشتمل پندرہ رکنی قانون ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ یوں خیرپور پاکستان کی ابتدائی دو ریاستوں میں شامل ہوا جہاں بالغ رائے دہی کا نظام رائج کیا گیا۔ رائل آرک کی تحقیق کے مطابق بالغ رائے دہی کے اس نظام کے تحت ہونے والے انتخابات برصغیر میں اپنی نوعیت کے پہلے انتخابات تھے۔ تاہم وزیرِ اعلیٰ کو اسمبلی کی کارروائیوں پر ویٹو کا اختیار حاصل تھا اور وہ اسمبلی کی منظوری کے بغیر بھی قوانین نافذ کر سکتا تھا۔
سنہ انیس سو اکیاون میں پاکستان کے وزیرِ اعظم لیاقت علی خان نے اٹھارہ سالہ علی مراد خان کو حکمرانی کے اختیارات سونپ دیے اور ریجنسی کونسل کو تحلیل کر دیا۔ دو سال بعد خیرپور کو صوبے میں تبدیل کرتے ہوئے مزید اختیارات مرکز کی جانب سے مقرر کردہ وزیرِ اعلیٰ کے ہاتھ میں دے دیے گئے۔ پچیس مئی انیس سو چون میں اسمبلی نے سندھ کے ساتھ انضمام کی تجاویز مسترد کر دیں مگر بالآخر جب انضمام ناگزیر سمجھا جانے لگا تو دس نومبر انیس سو چون کو اسمبلی نے پاکستان کے ساتھ انضمام کی قرارداد منظور کی۔ دس دن بعد جارج علی مراد خان نے پاکستان کے ساتھ انضمام کے معاہدے پر دستخط کر دیے اور یوں ان کی خودمختار حکمران کی حیثیت ختم ہو گئی۔ جدید جنوبی ایشیا کے مورخ ڈاکٹر یعقوب خان بنگش کے مطابق سنہ انیس سو پچپن تک، یعنی چودہ اکتوبر انیس سو پچپن کو خیرپور کے مغربی پاکستان 'ون یونٹ' میں انضمام سے عین قبل، خیرپور ایک طاقتور ریاست کے طور پر ابھری اور پاکستان کی پہلی دہائی میں ایک ترقی پذیر 'فلاحی ریاست' کی بہترین مثال بن گئی۔ بعدازاں خیرپور کو ایک ڈویژنل ہیڈ کوارٹر کا درجہ دے دیا گیا۔
رائل آرک کی تحقیق کے مطابق جارج علی مراد خان پاکستان آرمی میں اعزازی لیفٹیننٹ کرنل بھی رہے۔ سنہ انیس سو پچپن میں خیرپور ویلفیئر ٹرسٹ کے صدر، سنہ انیس سو اڑسٹھ میں مہران وائلڈ لائف ریفیوج کے بانی اور سنہ انیس سو چھیاسی سے انیس سو چورانوے تک سندھ وائلڈ لائف مینجمنٹ بورڈ کے نائب چیئرمین رہے۔ پاکستان ہسٹوریکل سوسائٹی سمیت متعدد اداروں سے وابستہ رہے۔ انکی پہلی شادی صادق گڑھ پیلس بہاولپور میں غلام صدیقہ بیگم سے ہوئی جو بہاولپور کے فرمانروا نواب سر صادق محمد خان عباسی پنجم کی سب سے بڑی بیٹی تھیں۔ یہ شادی بعد میں ختم ہو گئی۔ انہوں نے دوسری شادی علامہ رشید ترابی کی بیٹی عائلہ سے کی جنکے بطن سے دو بیٹے عباس رضا خان تالپور اور مہدی رضا خان تالپور اور ایک بیٹی زہرا پیدا ہوئے۔ عائلہ تالپور کی وفات 2019 میں ہوئی۔

صحافی شاہ زیب جیلانی کے مطابق بعدازاں جارج علی مراد خان گوشہ نشین اور فطرت سے محبت کرنیوالے انسان بن گئے تھے۔ انکی موت پر وزیرِ اعلیٰ سندھ سید مراد علی شاہ نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا کہ ریاستِ خیرپور اور سندھ کی تاریخ و ثقافت کے تحفظ کے لیے ان کی خدمات ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ ترقیاتی امور کے ماہر اور سندھ کے سابق وزیرِ اعلیٰ سید قائم علی شاہ کے بیٹے اسد علی شاہ کے مطابق جارج علی مراد خان کی وفات خیرپور، سندھ اور پاکستان کے ابتدائی تشکیلی برسوں کی تاریخ سے جڑے ایک غیر معمولی زندہ ربط کے اختتام کی علامت ہے۔ انکے بیٹے مہدی رضا خان تالپور نے جنازے کے موقع پر کہا کہ انہوں نے کبھی اپنے والد کو پوری زندگی خوش نہیں دیکھا مگر اب یقین ہے کہ وہ خوش ہوں گے کیونکہ وہ ہمیشہ زندگی کو روح کی قید سمجھتے تھے۔

کوٹ ڈیجی کا قلعہ، فیض محل اور مہرانو جنگل آج بھی تالپور خاندان کی یادگار ہیں۔ جارج علی مراد خان کی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ تاریخ کبھی بھی صرف کتابوں میں نہیں رہتی بلکہ انسانوں کے ذریعے زندہ رہتی ہے۔ ان کی وفات کے ساتھ برطانوی ہندوستان کی سابق شاہی ریاستوں کا آخری زندہ حکمران رخصت ہو گیا مگر ان کی میراث خیرپور اور سندھ کی مٹی میں پیوست رہے گی۔ یہ کہانی صرف ایک شہزادے کی نہیں بلکہ اس دور کی ہے جب سلطنتیں ختم ہو رہی تھیں، نئے ممالک جنم لے رہے تھے اور پرانی روایات نئی حقیقتوں کے سامنے جھک رہی تھیں۔ میر جارج علی مراد خان دوم تالپور نے ان تبدیلیوں کو نہ صرف دیکھا بلکہ ان کا حصہ بنے اور آخر کار ایک خاموش، فطرت سے محبت کرنے والے بزرگ کی حیثیت سے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

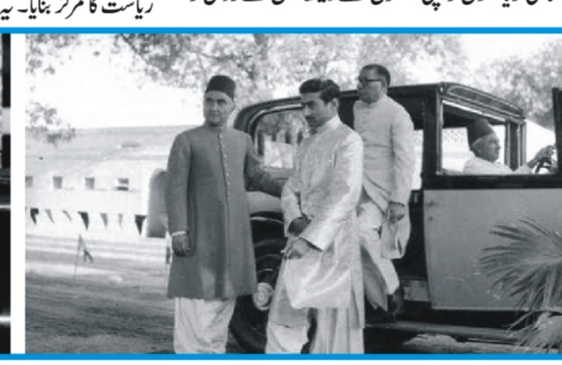

فیلڈ مارشل عاصم منیر کا ویژن:

پاک فوج کو دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی سے لیس فوج بنانے کا عزم

فتح-4ای آر کروز میزائل کا کامیاب تجربہ:پاکستان کی مقامی دفاعی صلاحیتوں میں نئی تاریخ

زمین کی سطح سے 50 میٹراوپر پرواز کرنے والا میزائل جو دشمن کے دفاعی نظام کو چکمہ دیتا ہے، مقامی سطح پر تیار کردہ فتح4 کروز میزائل کے 'توسیعی ورژن' میں نیا کیا ہے؟

مقصود خالد
بیورو چیف لاہور

پاکستان نے مقامی طور پر تیار کردہ فتح-4 گراؤنڈ لانچڈ کروز میزائل کے توسیعی ورژن کا کامیاب تجربہ کر کے اپنی دفاعی صلاحیتوں میں ایک اہم سنگ میل عبور کرلیا ہے۔آئی ایس پی آر کے بیان کے مطابق جدید ترین ایویونکس اور نیویگیشنل آلات سے لیس یہ میزائل انتہائی درستگی اور تباہ کن صلاحیت کے ساتھ طویل فاصلے پر موجود اہداف کو نشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔اس تجربے کے دوران بہتر درستگی اور صلاحیت کو بڑھانے کے لیے شامل کیے گئے مختلف ذیلی نظاموں کے اضافی تکنیکی پیرامیٹرز کی بھی تصدیق کی گئی۔تجربے کا مشاہدہ پاکستان آرمی کے اعلیٰ افسران کے ساتھ ساتھ اسے تیار کرنے والے ادارے کے سائنسدانوں اور انجینئروں نے کیا۔ یہ میزائل زمین کی سطح کے قریب پرواز کرنے کی خصوصیات کی بدولت دشمن کے میزائل دفاعی نظام کو چکمہ دینے اور انتہائی درستگی کے ساتھ اہداف کونشانہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پاکستان کے پاس فتح سیریز کے فتح ون، فتح2 اور فتح3 میزائل پہلے سے ہی موجود ہیں اور فتح-۴ای آران کی سلسلہ وارترقی کی تازہ ترین کڑی ہے۔

فیلڈ مارشل سید عاصم منیر، جو چیف آف آرمی سٹاف اور چیف آف ڈیفنس فورسز کے عہدے پر فائز ہیں، کی قیادت میں پاک فوج ایک واضح ویژن کے تحت آگے بڑھ رہی ہے۔ان کا ویژن یہ ہے کہ پاک فوج کو جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس کر کے دنیا کی بہترین فوجوں میں شمار کیا جائے۔ ان کے مطابق جنگ کی نوعیت میں نمایاں تبدیلی آ چکی ہے جہاں ٹیکنالوجی میں ترقی اس ارتقا کو آگے بڑھارہی ہے اور تمام سطحوں پر فکری تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے۔ مستقبل میں ٹیکنالوجی پر مبنی چالیں جسمانی چالوں کی جگہ لے لیں گی اور جارحانہ ودفاعی آپریشنز کے طریقہ کار کو بنیادی طور پر تبدیل کر دیں گی۔ اسی لیے پاکستان کی مسلح افواج تیزی سے جدید ٹیکنالوجی کو اپنا رہی ہیں اور اس عمل میں جدت، مقامی تیاری اور مطابقت بنیادی ستون رہیں گے۔

فتح-۴ ای آر کا کامیاب تجربہ اسی ویژن کا عملی مظہر ہے جہاں مقامی سائنسدانوں اور انجینئروں نے مل کر ایک ایسے نظام کو تیار کیا جو نہ صرف طویل فاصلے تک مار کرسکتا ہے بلکہ دشمن کے ریڈار گرڈز سے بچتے ہوئے کم بلندی پر پرواز کر کے اپنے ہدف تک پہنچ سکتا ہے۔

پاکستان اور انڈیا کے درمیان گذشتہ برس مئی میں ہونے والی چار روزہ جنگ کے دوران جہاں انڈیا نے پاکستان پر براہموس میزائلوں سے حملہ کیا تو وہیں پاکستان نے فتح ون میزائل سے جوابی کارروائی کا آغاز کیا تھا۔

رواں برس سات مئی کو پاکستانی فوج کے شعبہ تعلقات عامہ نے ایک ویڈیو میں فتح تھری کروز میزائل کی رونمائی کی تھی اور اس کا موازنہ انڈیا کے براہموس میزائلوں کے ساتھ کیا جارہا تھا۔ٹورنٹو میں قائم ڈیفنس نیوز اینڈ اینالسس گروپ قوۃ کے مطابق پاکستان نے سنہ۱۲۰۲ میں پہلی مرتبہ فتح ون سیریز کا میزائل لانچ کیا تھا جس کے مار کرنے کی صلاحیت ۰۴۱ کلومیٹر تھی۔ سنہ ۴۲۰۲ میں پاکستان نے فتح ۲ کو اپنے بیڑے میں شامل کیا تھا جو ۴۰۰ کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور پھر رواں برس مئی میں فتح تھری میزائل کی رونمائی کی گئی۔ فتح-۴ کی بنیادی رینج ۰۵۷ کلومیٹر بتائی گئی تھی جبکہ اس کے توسیعی ورژن فتح-۴ای آر کی رینج اس سے زیادہ ہے اور تجزیہ کاروں کے مطابق یہ ایک ہزار کلومیٹر سے زائد ہوسکتی ہے۔

پاکستانی فضائیہ کے سابق ایئر کموڈور اویس خان کہتے ہیں کہ پاکستان اور انڈیا کے درمیان گذشتہ برس ہونے والی جھڑپ کے بعد پاکستان نے فتح سیریز کے میزائل بنانے میں زیادہ توجہ دی ہے۔ فتح-4 کا نیا میزائل330 کلوگرام روایتی پے لوڈ لیجانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کا نیویگیشن سسٹم شدید جیمنگ کے باوجود آزادانہ طور پر کام کر سکتا ہے۔

اُن کا کہنا تھا کہ 'اس کی رفتار کے بارے میں بتایا جارہا ہے کہ یہ مَیک 0.7 (864 کلو میٹر فی گھنٹہ) سب سونک میزائل ہے جس کی ہدف کو نشانہ بنانے کی درستگی تقریباً پانچ میٹر بتائی گئی ہے۔'

وہ کہتے ہیں کہ 'میزائل کا 750 کلومیٹر تک مار کرنے کا تجربہ پہلے ہی کیا جا چکا ہے جبکہ مزید فاصلے کے لیے بھی کم بلندی پر آزمائشیں کی گئی ہیں۔اس کی نمایاں خصوصیت دشمن کے ریڈار نظام کو چکمہ دے کر ہدف تک پہنچنے کی صلاحیت ہے۔' اُن کا کہنا تھا کہ 'دشمن کے ریڈار گرڈز سے بچنے کے لیے یہ زمین کی سطح سے صرف50 میٹراُوپر پرواز کرنیکی نمایاں خصوصیت بھی رکھتا ہے۔'

ٹورنٹو میں قائم ڈیفنس نیوز اینڈ اینالسس گروپ قوۃ کے بانی اور دفاعی امور کے محقق بلال حسین خان کے مطابق فوج کی جانب سے جاری کی گئی ویڈیو سے پتہ چلتا ہے کہ یہ فتح-4 کا ایک نیا ویریئنٹ فتح-4ای آر ہے۔ فتح-4ای آر سائز کے لحاظ سے فتح-4 کے مقابلے میں بڑا دکھائی دیتا ہے۔ آئی ایس پی آر نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ اس نئے ویریئنٹ کی رینج زیادہ ہے تاہم یہ نہیں بتایا گیا کہ یہ اضافہ کس حدتک ہے۔ بلال حسین کہتے ہیں کہ پاک فوج زیادہ طویل فاصلے تک مار کرنیوالے کروز میزائلوں کے حصول پر کام کررہی ہے خاص طور پر ایسے میزائل جنکی رینج ایک ہزار کلومیٹر سے زیادہ ہو۔ موجودہ فتح-4 کی رینج750 کلومیٹر ہے جبکہ ماضی میں بابر-ون کی رینج900 کلومیٹر بتائی گئی تھی۔ لہٰذا فتح-4ای آر کی حقیقی رینج کی تصدیق نہیں کی جاسکتی لیکن اندازہ ہے کہ ایک ہزار کلومیٹر سے زائد رینج کا اندازہ محفوظ ہے۔ اس کی رینج 1200 سے 1500 کلومیٹر تک بڑھانا پاکستان فوج کا اگلا ممکنہ ہدف ہوسکتا ہے۔

اضافی رینج کے علاوہ فتح-4 کے ڈیزائن میں بھی کچھ اہم تبدیلیاں نظر آتی ہیں۔ اس کے فولڈ ہونے والے پر میزائل کے اندر رکھنے کے بجائے بیرونی حصے میں شامل کیے گئے ہیں جس سے اس کی تیاری نسبتاً آسان اور کم لاگت ہوسکتی ہے۔ رینج بڑھانے کے لیے اس کا ایئر فریم بھی بڑا کیا گیا ہے تا کہ زیادہ ایندھن کی گنجائش پیدا ہو سکے۔ یہ سب سونک کروز میزائل ہے جو طویل فاصلے تک زمینی اہداف کو نشانہ بنانے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ فتح ون، فتح2 اور فتح تھری سے اس کا کردار مختلف ہے اور اسے طویل فاصلے پر مار کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

دفاعی امور کے ماہرین اس جانب بھی اشارہ کرتے ہیں کہ انڈیا اور پاکستان دونوں کے پاس ایسے سپر سونک کروز میزائل

> فتح سیریز پاکستان کا بہت مؤثر میزائل سسٹم ہے جوایئرفورس کے ساتھ مل کردشمن کی آفنسو کیپبلٹی کونشانہ بنانے اوران کے ہائی ویلیوڈیفینسو ٹارگٹس کونیوٹرآئز کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔اس میزائل کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ آپ ان میزائلوں کودشمن کے دفاعی نظام کی حدود سے باہرسٹینڈ آف رینج سے فائر کرسکتے ہیں

ہیں جو آئندہ کی فوجی لڑائیوں کو ماضی کی لڑائیوں سے بہت مختلف بنا سکتے ہیں۔ پاکستانی فوج کے سابق بریگیڈیئر ڈاکٹر طغرل یمین کہتے ہیں کہ طویل فاصلے تک مار کرنے والے بیلسٹک میزائلوں کے برعکس کروز میزائل ریڈار کی نظروں سے اوجھل رہ سکتے ہیں اور ان کی رفتار سپر سونک ہوتی ہے مگر ان کی رینج قدرے کم ہوتی ہے۔ وہ یوکرین جنگ اور مشرق وسطیٰ میں جاری لڑائیوں کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اب جنگوں میں میزائلوں اور ڈرونز کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے۔ گذشتہ سال اگست میں راکٹ فورس کے قیام کے بعد سے پاکستان کی مسلح افواج نے کئی میزائلوں کی آزمائش کی ہے۔ راکٹ فورس کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ پاکستان اپنے سٹریٹیجک جوہری میزائلوں کو روایتی میزائلوں سے الگ کرنا چاہتا تھا۔ جنگ میں استعمال ہونے والے روایتی میزائلوں کو الگ اسی لیے کیا گیا تا کہ فیصلہ سازی آسان اور تیز ہو سکے۔

کینبرا کی نیشنل یونیورسٹی میں سٹریٹیجک اور ڈیفینس سٹڈیز کے لیکچرر ڈاکٹر منصور احمد کے مطابق فتح میزائل پاکستان کی لانگ رینج راکٹ آرٹلری سسٹم میں جدید اضافہ ہیں۔ ان کا استعمال انتہائی درستگی کے ساتھ مختلف اہم اہداف پر جوابی حملوں کے لیے کیا جاتا ہے جن میں ایئر بیسز، کمانڈ اینڈ کنٹرول سینٹرز، ایمونیشن ڈپیوز، لاجسٹک سپلائی لائنز اور دشمن کے فارورڈ سپلائی ٹینکس یا توپ خانے وغیرہ شامل ہو سکتے ہیں۔ فتح سیریز پاکستان کا بہت مؤثر میزائل سسٹم ہے جو ایئر فورس کے ساتھ مل کر دشمن کی آفنسو کیپبلٹی کو نشانہ بنانے اور ان کے ہائی ویلیو ڈیفینسو ٹارگٹس کو نیوٹرآئز کرنے میں استعمال ہوتا ہے۔ اس میزائل کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ آپ ان میزائلوں کو دشمن کے دفاعی نظام کی حدود سے باہر سٹینڈ آف رینج سے فائر کر سکتے ہیں۔ ان میزائلوں میں شوٹ اینڈ سکوٹ کی صلاحیت موجود ہے یعنی فائر کرنے کے فوراً بعد یہ اپنی جگہ بدل سکتے ہیں اسی وجہ سے یہ دشمن کی جوابی گولہ باری سے محفوظ رہتے ہیں کیونکہ ان کا مقام فوری طور پر تبدیل ہوجاتا ہے لہٰذا انھیں نشانہ بنانا یا روکنا نہایت مشکل ہوجاتا ہے۔

فیلڈ مارشل عاصم منیر کی قیادت میں پاک فوج ملٹی ڈومین وارفیئر کی طرف تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ ان کے مطابق مستقبل کے میدان جنگ میں ڈرونز، الیکٹرانک وارفیئر، جدید نگرانی کے آلات اور جدید کمانڈ اینڈ کنٹرول نظام مرکزی کردار ادا کریں گے۔ بہاولپور گیریژن کے دورے کے موقع پر انہوں نے اسٹیڈ فاسٹ ریزولو مشق کا مشاہدہ کیا جس میں ان ٹیکنالوجیز کا باہمی انضمام دکھایا گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ جدت، انڈیجنائزیشن اور ایڈاپٹیشن بنیادی ستون رہیں گے تا کہ پاک فوج دنیا کی بہترین ٹیکنالوجی سے لیس فوج بن سکے۔ فتح-4ای آر اسی ویژن کا حصہ ہے جو نہ صرف دفاعی خودمختاری کو مضبوط کرتا ہے بلکہ دشمن کے خلاف اسٹریٹیجک گہرائی فراہم کرتا ہے۔ صدر مملکت آصف علی زرداری، وزیراعظم شہباز شریف، فیلڈ مارشل عاصم منیر اور تینوں سروسز چیفس نے اس کامیاب تجربے پر مبارکباد دی اور سائنسدانوں، انجینئروں کی تکنیکی صلاحیت، لگن اور عزم کو سراہا۔

یہ پیشرفت پاکستان کی مقامی دفاعی صنعت کی کامیابی کی علامت ہے جہاں نیشنل انجینئرنگ اینڈ سائنٹیفک کمیشن اور دیگر ادارے مسلسل کام کررہے ہیں۔ فتح سیریز کی مسلسل ترقی سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاک فوج روایتی میزائل جنگ میں آپریشنل تیاری اور رابطہ کاری کو بہتر بنا رہی ہے جبکہ جوہری صلاحیت رکھنے والے نظام الگ نیشنل سٹریٹجک کمانڈ کے تحت رہتے ہیں۔ آئندہ فوجی لڑائیوں میں کروز میزائلوں کا کردار مرکزی ہوگا کیونکہ یہ ریڈار سے اوجھل رہ کر کم بلندی پر پرواز کرتے ہوئے اہم اہداف کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ فیلڈ مارشل کا ویژن واضح ہے کہ پاک فوج کو جدید ترین ٹیکنالوجی سے لیس کر کے نہ صرف دفاعی برتری حاصل کی جائے بلکہ اسے دنیا کی بہترین فوجوں میں شمار کیا جائے۔ فتح-4ای آر کا تجربہ اسی ویژن کی عملی تعبیر ہے جو پاکستان کی دفاعی خودمختاری اور سٹریٹیجک استحکام کو مزید مضبوط کرتا ہے۔

فیشن شخصیت کا نکھار اور عصر حاضر کی ضرورت مگر۔۔۔

فیشن اپناتے وقت شخصیت، عمر اور موقع و محل کو مدنظر رکھیں

ایمان کامران

ایک ماہر اسٹائلسٹ اور 'کلر یور اسٹائل' کتاب کی مصنف ڈیوڈ زائلہ کے کہنا ہے کہ 'اگرچہ آپ مختلف رنگوں کے لباس پہنتے ہیں، لیکن ہر انسان کسی مخصوص رنگ کو زیادہ ترجیح دیتا ہے جس میں اسے سکون ملتا ہے اور وہ لباس پہنتے ہوئے بھی انہی رنگ کا استعمال کرتا ہے جن سے آپ کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔' آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ آپ کے لباس کا رنگ آپ کی شخصیت کے بارے میں کیا بتاتا ہے۔

کالا رنگ: مشہور فیشن اور اسٹائلسٹ ماہرین کیرن ہالر کا کہنا ہے کہ 'کالے رنگ کو کافی سنجیدہ سمجھا جاتا ہے۔' اور ماہر نفسیات کی ریسرچ کے مطابق بھی کالے رنگ کو قوت، سنجیدگی اور ذہانت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یورپ کی زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجویشن میں کالے رنگ کے گاؤن دیے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کالے رنگ کا لباس پہنا پسند کرتے ہیں وہ زیادہ تر بلند نظر رکھتے ہیں یا پھر وہ حساس طبعیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات کے مطابق ایسے لوگوں میں زیادہ تر احساسات زیادہ پائیں جاتے ہیں جو بعض دفعہ اپنے احساسات چھپاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

براؤن رنگ:

دنیا کی طرح براؤن رنگ زیادہ تر قابل اعتماد، مضبوط اور مستحکم کے معنوں میں لیا جاتے ہے۔ وہ لوگ جو براؤن رنگ کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں وہ زیادہ تر اعتدال پسند ہوتے ہیں جو اپنے بڑوں کی عزت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر چیز میں امن، استحکام اور طاقت ڈھونڈنا ان کی خاصیت میں سے ایک مانی جاتی ہے۔

نیلا رنگ

ایک مشہور جرنلسٹ اور ماہر نفسیات نے لکھا کہ 'انٹرویو میں نیلے رنگ کا لباس پہننا کافی فائدہ مند ہوسکتے ہیں کیونکہ یہ رنگ سامنے والے کے نظریہ میں آپ کو بھروسے مند بناتا ہے۔' نیلے رنگ کی کافی اقسام ہوتی ہیں جنکا انتخاب زیادہ تر مہربان، ہمدرد اور شرمیلے لوگ کرتے ہیں۔ ماہر نفسیات کے مطابق جو لوگ زیادہ تر نیلے رنگ کا لباس پہنتے ہیں وہ ایک اچھے والدین یا کام کرنے والے بن سکتے ہیں۔

ہرا رنگ

سائنسدان کے مطابق ہرے رنگ کا لباس آپکے اور آپکے اردگرد کے لوگوں کا مزاج بہتر کرنے میں مدد کرتا ہے۔ ہرا رنگ زیادہ تر امن کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ لوگ جو ہرے رنگ کے لباس کا انتخاب کرتے ہیں وہ کافی خوش مزاج انسان سمجھے جاتے ہیں جنہیں لوگوں کے اردگرد گھومنا اور دوست بنانا اچھا لگتا ہیاوران لوگوں کے مالی حالات بھی کافی بہتر ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ ان لوگوں کو دوسرے لوگوں کے بارے میں خیال کرتے ہوئے بھی دیکھا جاتا ہے کیونکہ انکے دل میں دوسرے لوگوں کیلئے ایک ملائم حصہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔

لال رنگ

لال رنگ کو زیادہ تر جذبات سے سرشار اور طاقت وار کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ اگر آپ کسی کو متاثر کرنا چاہتے ہیں تو لال رنگ کا لباس پہنا کریں۔ لال رنگ کے لباس کا وہ لوگ انتخاب کرتے ہیں جن میں انرجی، حرکت اور جوش و خروش زیادہ پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ مردوں پر عورتوں کے نسبت لال رنگ زیادہ متاثر کرتا ہے۔ وہ لوگ جو زیادہ تر لال رنگ کا لباس پہنتے ہیں انہیں پر جوش، ذراسا خود غرض اور عادی مانا جاتا ہے۔

نارنجی رنگ

نارنجی رنگ زیادہ تر پر تعیش زندگی، گرم، تخلیقی صلاحیت اور متاثر کن کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو زیادہ تر نارنجی رنگ کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں وہ انرجیٹک، پر امید کے قائل، خوش مزاج، تخلقی اور متاثر کن سمجھے جاتے ہیں۔

مشرق
کہانی میگزین

ایڈیٹر:	ساجد خان
گرافکس	خرم شہزاد

فیشن شخصیت کا نکھار اور عصر حاضر کی ضرورت مگر۔۔۔

فیشن اپناتے وقت شخصیت، عمر اور موقع و محل کو مدنظر رکھیں

ایمان کامران

ایک ماہر اسٹائلسٹ اور 'کلر یور اسٹائل' کتاب کی مصنف ڈیوڈ زائلہ کے کہنا ہے کہ 'اگر چہ آپ مختلف رنگوں کے لباس پہنتے ہیں، لیکن ہر انسان کسی مخصوص رنگ کو زیادہ ترجیح دیتا ہے جس میں اسے سکون ملتا ہے اور وہ لباس پہنتے ہوئے بھی انہی رنگ کا استعمال کرتا ہے جن سے آپ کی شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔' آج ہم آپ کو بتائیں گے کہ آپ کے لباس کا رنگ آپ کی شخصیت کے بارے میں کیا بتاتا ہے۔

کالا رنگ: مشہور فیشن اور اسٹائلسٹ ماہرین کیرن ہالر کا کہنا ہے کہ 'کالے رنگ کو کافی سنجیدہ سمجھا جاتا ہے۔' اور ماہر نفسیات کی ریسرچ کے مطابق بھی کالے رنگ کو قوت، سنجیدگی اور ذہانت کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یورپ کی زیادہ تر یونیورسٹی کے گریجویشن میں کالے رنگ کے گاؤن دیے جاتے ہیں۔ وہ لوگ جو کالے رنگ کا لباس پہنا پسند کرتے ہیں وہ زیادہ تر بلند نظر رکھتے ہیں یا پھر وہ حساس طبعیت کے مالک ہوتے ہیں۔ ماہر نفسیات کے مطابق ایسے لوگوں میں زیادہ تر احساسات زیادہ پائیں جاتے ہیں جو بعض دفعہ اپنے احساسات چھپاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

براؤن رنگ:

دنیا کی طرح براؤن رنگ زیادہ تر قابل اعتماد، مضبوط اور مستحکم کے معنوں میں لیا جاتے ہے۔ وہ لوگ جو براؤن رنگ کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں وہ زیادہ تر اعتدال پسند ہوتے ہیں جو اپنے بڑوں کی عزت کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر چیز میں امن، استحکام اور طاقت ڈھونڈنا ان کی خاصیت میں سے ایک مانی جاتی ہے۔

نیلا رنگ

ایک مشہور جرنلسٹ اور ماہر نفسیات نے لکھا کہ 'انٹرویو میں نیلے رنگ کا لباس پہننا کافی فائدہ مند ہو سکتے ہیں کیونکہ یہ رنگ سامنے والے کے نظریہ میں آپ کو بھروسے مند بناتا ہے۔' نیلے رنگ کی کافی اقسام ہوتی ہیں جنکا انتخاب زیادہ تر مہربان، ہمدرد اور شرمیلے لوگ کرتے ہیں۔ ماہر نفسیات کے مطابق جو لوگ زیادہ تر نیلے رنگ کا لباس پہنتے ہیں وہ ایک اچھے والدین یا کام کرنے والے بن سکتے ہیں۔

ہرا رنگ

سائنسدان کے مطابق ہرے رنگ کا لباس آپکے اور آپکے اردگرد کے لوگوں کا مزاج بہتر کرنے میں مدد کرتا ہے۔ ہرا رنگ زیادہ تر امن کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ لوگ جو ہرے رنگ کے لباس کا انتخاب کرتے ہیں وہ کافی خوش مزاج انسان سمجھے جاتے ہیں جنہیں لوگوں کے اردگرد گھومنا اور دوست بنانا اچھا لگتا ہیا وران لوگوں کے مالی حالات بھی کافی بہتر ہوتے ہیں۔ اسکے علاوہ ان لوگوں کو دوسرے لوگوں کے بارے میں خیال کرتے ہوئے بھی دیکھا جاتا ہے کیونکہ انکے دل میں دوسرے لوگوں کیلئے ایک ملائم حصہ ہمیشہ موجود ہوتا ہے۔

لال رنگ

لال رنگ کو زیادہ تر جذبات سے سرشار اور طاقت وار کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ اگر آپ کسی کو متاثر کرنا چاہتے ہیں تو لال رنگ کا لباس پہنا کریں۔ لال رنگ کے لباس کا وہ لوگ انتخاب کرتے ہیں جن میں انرجی، حرکت اور جوش وخروش زیادہ پایا جاتا ہے۔ البتہ ایک ماہر نفسیات کا کہنا ہے کہ مردوں پر عورتوں کے نسبت لال رنگ زیادہ متاثر کرتا ہے۔ وہ لوگ جو زیادہ تر لال رنگ کا لباس پہنتے ہیں انہیں پرجوش، ذرا سا خود غرض اور عادی مانا جاتا ہے۔

نارنجی رنگ

نارنجی رنگ زیادہ تر پرتعیش زندگی، گرم، تخلیقی صلاحیت اور متاثر کن کے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو زیادہ تر نارنجی رنگ کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں وہ انرجیٹک، پرامید کے قائل، خوش مزاج، تخلقی اور متاثر کن سمجھے جاتے ہیں۔

مشرق کہانی میگزین

ایڈیٹر: ساجد خان

گرافکس خرم شہزاد

ریٹائرمنٹ پر میسی کی جذباتی تقریر اور ساتھی کھلاڑیوں کا خراجِ تحسین

’میں نہیں چاہتا کہ یہ لمحہ کبھی ختم ہو‘

عطاء محمد کاکڑ

ارجنٹینا کے مشہور فٹبالر لیونل میسی کے شاندار قومی کیریئر کا اختتام بیونس آئرس میں بینن کے خلاف ایک دوستانہ میچ میں گول کے ساتھ ہوا۔ میسی کا کہنا ہے کہ وہ ’شکر اور فخر محسوس کرتے ہیں اور مطمئن‘ ہیں۔ 39 سالہ میسی نے ارجنٹینا کے لیے 208 ویں اور اپنے آخری بین الاقوامی میچ میں دوسرے ہاف میں پنالٹی پر گول کیا۔ اس میچ کے دوران انھوں نے 48 ویں منٹ میں نکولس اوٹمنڈی اور 61 ویں منٹ میں نکولس پاز مارٹینز کو گول میں معاونت بھی فراہم کی۔ ارجنٹینا نے اس دوستانہ میچ میں بینن کو صفر کے مقابلے میں تین گول سے شکست دی۔ میسی نے رواں برس اگست میں بین الاقوامی فٹبال سے ریٹائرمنٹ کا اعلان کیا تھا۔

وہ اپنے والد خورخے کی وفات کے بعد پہلی بار ارجنٹائن کی جانب سے کھیل رہے تھے۔ ان کے والد 68 برس کی عمر میں طویل علالت کے بعد وفات ہو گئی تھی۔ میچ کے اختتام پر انھوں نے شائقین سے تقریباً 10 منٹ طویل خطاب کیا۔ اس دوران ان کے بعض ساتھی کھلاڑی، جن میں مانچسٹر سٹی کے اینزو فرنانڈیز بھی شامل تھے، آبدیدہ ہو گئے۔ اس دوران میسی نے اعتراف کیا کہ وہ میدان چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ 'اس وقت میرے دل میں بے شمار جذبات ہیں۔ یقیناً میں بہت سی ایسی باتیں بھول رہا ہوں جو میں کہنا چاہتا تھا کیونکہ یہ میرے لیے بہت مشکل لمحہ ہے۔ سب سے پہلے میرے ذہن میں اپنے والد کا خیال آتا ہے۔

’میں یہاں سے شکر گزاری، فخر اور اطمینان کے احساس کے ساتھ رخصت ہو رہا ہوں۔ ہر چیز کے لیے آپ سب کا شکریہ۔‘

میسی میچ میں پورے 90 منٹ تک گراؤنڈ میں رہے۔ اس کے بعد مونیومینٹل سٹیڈیم میں موجود 85 ہزار شائقین کے لیے لیزر لائٹ شو، براہِ راست موسیقی اور خصوصی تقریبات کا اہتمام کیا گیا تھا۔ اگست میں اپنی ریٹائرمنٹ کا اعلان کرتے ہوئے میسی کا کہنا تھا کہ یہ ایک تکلیف دہ فیصلہ ہے، لیکن ’اب وقت آ گیا ہے۔‘ آٹھ مرتبہ بیلن ڈی آور جیتنے والے میسی نے بتایا کہ انھوں نے ورلڈ کپ فائنل میں ارجنٹینا کی سپین کے ہاتھوں فائنل میں شکست کے دو دن 21 جولائی کو اپنی ریٹائرمنٹ کا پیغام تحریر کر لیا تھا۔

میسی نے 2005 میں ہنگری کے خلاف ایک دوستانہ میچ کے دوران 63 ویں منٹ میں متبادل کھلاڑی کے طور پر میدان میں آ کر ارجنٹینا کے لیے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ تاہم میسی کو میدان میں اترے ایک منٹ بھی نہیں ہوا تھا کہ انھیں واپس جانا پڑا جب ان کا بازو حریف کھلاڑی ولموش وانژاک سے ٹکرا گیا اور ریفری نے انھیں سیدھا ریڈ کارڈ دکھا دیا۔ بین الاقوامی فٹبال میں مشکل آغاز کے باوجود میسی بعد میں کھیل کی تاریخ کے عظیم ترین کھلاڑیوں میں شمار ہونے لگے۔ انھوں نے ارجنٹینا کے ساتھ ایک ورلڈ کپ اور دو کوپا امریکہ ٹائٹل جیتے۔

وہ ورلڈ کپ کی تاریخ میں 21 گولوں کے ساتھ دوسرے سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی ہیں، جبکہ پہلے نمبر پر فرانس کے کائلیان ایمباپے ہیں جن کے 22 گول ہیں۔ اسی طرح بین الاقوامی فٹبال میں مجموعی گولوں کی فہرست میں بھی وہ 126 گولوں کے ساتھ دوسرے نمبر پر ہیں، جہاں ان سے آگے ان کے ہم عصر اور روایتی حریف پرتگال کے کرسٹیانو رونالڈو ہیں، جن کے نام 146 گول ہیں۔

’میرے پاس اس جرسی کا شکریہ ادا کرنے کے سوا کچھ‘

میسی نے اپنے آخری بین الاقوامی میچ کے بعد خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ’اب میرے پاس اس جرسی کا شکریہ ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں بچا۔‘ ’20 برس تک، حتیٰ کہ بدترین ادوار میں بھی، میں نے کبھی جدوجہد کرنا، آگے بڑھنا، اپنی پوری صلاحیت لگانا اور یہاں تک پہنچنے کے لیے پوری طاقت لگا دی۔‘ ان کا کہنا تھا کہ ’اب ارجنٹینا کی قومی ٹیم کا حصہ نہ رہنا میرے لیے بہت تکلیف دہ ہوگا۔‘ 'اگر یہ فیصلہ میرے ہاتھ

میسی نے اپنے آخری بین الاقوامی میچ کے بعد خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ’اب میرے پاس اس جرسی کا شکریہ ادا کرنے کے سوا کچھ نہیں بچا۔‘

میں ہوتا تو میں پوری زندگی یہاں رہنا پسند کرتا، کیونکہ ارجنٹائن کے لیے کھیلنا دنیا کی سب سے خوبصورت چیز ہے۔‘ ’میرا خیال ہے کہ آج میں شاید پہلے سے کہیں زیادہ بات کر رہا ہوں، کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ یہ لمحہ کبھی ختم ہو۔‘ ’لیکن میرا خیال ہے کہ اب میرے ریٹائر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔‘

ان کا کہنا تھا کہ پچھلے ورلڈ کپ کے دوران جو کچھ ہوا اس نے ہمارے لیے بہت مشکلات پیدا کیں۔ ’ہم جب فائنل تک پہنچے تو ہم میں زیادہ توانائی نہیں بچی تھی، لیکن ہم نے ہمیشہ کی طرح آخری لمحے تک جدوجہد جاری رکھی۔‘ ’ہم ایک بار پھر ٹرافی جیتنے کے بہت قریب پہنچ گئے تھے، اور ہمارے بارے میں جو کچھ بھی کہا گیا، اس کے باوجود کچھ عجیب نہیں ہوا۔ انگلینڈ کے خلاف میچ نے ہم سے بہت زیادہ توانائی لے لی کیونکہ ہم نے اس میں اپنا سب کچھ جھونک دیا تھا۔‘

2022 میں ہمارا خواب صرف میرا ذاتی خواب کی تعبیر نہیں بلکہ پورے ملک کے خواب کو حقیقت بنانا تھا، یعنی ایک بار پھر عالمی چیمپیئن بننا۔ اور ہم نے یہ کر دکھایا۔‘ تاہم قومی ٹیم سے ریٹائرمنٹ کے باوجود میسی میجر لیگ سوکر (ایم ایل ایس) کی ٹیم انٹر میامی کے لیے کھیلنا جاری رکھیں گے۔ ان کا معاہدہ 2028 کے سیزن کے اختتام تک برقرار ہے۔ بیونس آئرس میں جشن کی فضا سے بھرپور اس رات کے دوران کئی مواقع پر میسی جذبات سے مغلوب دکھائی دیے۔ وہ سٹیڈیم جاتے ہوئے ٹیم بس میں آنسو پونچھتے ہوئے دکھائی دیے، جبکہ قومی ترانے کے دوران بھی وہ کافی جذباتی نظر آئے۔

کک آف سے قبل شاندار آتش بازی کے ذریعے کھلاڑیوں کا استقبال کیا گیا، جبکہ میدان پر ارجنٹینا کی ٹیم کی دیوہیکل جرسی بچھائی گئی تھی جس پر میسی کا مشہور نمبر 10 اور ہسپانوی زبان کا لفظ گراسیس (شکریہ) درج تھا۔

’20 برس تک، حتیٰ کہ بدترین ادوار میں بھی، میں نے کبھی جدوجہد کرنا، آگے بڑھنا، اپنی پوری صلاحیت لگانا اور یہاں تک پہنچنے کے لیے پوری طاقت لگا دی۔‘

میچ شروع ہونے کے 10 منٹ بعد کھیل ایک بار پھر روک دیا گیا تا کہ مزید آتش بازی کا مظاہرہ کیا جا سکے۔ اس موقع پر میسی کے اعزاز میں شائقین نے کھڑے ہو کر بھرپور داد دی، جبکہ بینن کے تمام کھلاڑیوں نے ان سے مصافحہ بھی کیا۔

جب یہ تمام تقریبات ختم ہوئیں تو میسی اپنے اسی روپ میں نظر آئے جس کے لیے وہ جانے جاتے ہیں اور بینن کے خلاف انھوں نے بھرپور کھیل پیش کیا۔

’میں زندگی بھر ان کا شکر گزار رہوں گا‘

برازیل کے فارورڈ اور میسی کے سابق بارسلونا اور پیرس سینٹ جرمین کے ساتھی نیمار نے ایکس پر لکھا کہ 'صرف ارجنٹینا ہی آپ کا شکر گزار نہیں بلکہ پوری دنیا فٹبال کے لیے آپ کی خدمات پر آپ کی ممنون ہے۔

'آپ کا شکریہ کہ آپ نے مجھے فٹبال سے اور بھی زیادہ محبت کرنا سکھایا۔ آپ کے خلاف کھیلنا میرے لیے اعزاز کی بات تھی، اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ کے ساتھ تاریخ کا حصہ بننے کا موقع ملا۔' میسی کے قریبی دوست اور قومی و کلب سطح پر ان کے ساتھی کھلاڑی روڈریگو ڈی پال کا کہنا تھا کہ میسی نے نہ صرف مجھے ایک فٹبالر کے طور پر بلکہ ایک انسان کے طور پر بھی بہتر بننے میں مدد دی۔

'میں ایک بہتر انسان، بہتر کھلاڑی، بہتر والد اور بہتر دوست بنا۔

'میں انھیں بتانا چاہتا ہوں کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ وہ میرے بھائی ہیں اور ان کا دل بہت بڑا ہے۔' ارجنٹینا کے سابق کھلاڑی اینخل دی ماریا کا کہنا ہے کہ 'انھیں اس قدر خوش اور مطمئن دیکھنا کہ انھیں معلوم ہے کہ انھوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائی لگائی ہیں، یہی چیز ہم سب کے لیے خوشی کا باعث ہے۔ 'میں زندگی بھر ان کا شکر گزار رہوں گا۔'

میسی کے بعد 10 نمبر جرسی کون پہنے گا؟

لیونل میسی کی ریٹائرمنٹ کے بعد اب ارجنٹینا کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ 10 نمبر جرسی کون پہنے گا۔ ارجنٹینا کے کوچ لیونل سکالونی فی الحال اس بحث کو فوری طور پر آگے بڑھانے سے گریز کر رہے تھے۔ فیفا کی ویب سائٹ پر شائع ایک رپورٹ کے مطابق سکالونی نے کہا ہے کہ بولیویا اور برکینا فاسو کے خلاف میچوں میں کوئی بھی کھلاڑی نمبر 10 کی جرسی نہیں پہنے گا۔ سکالونی پہلے ہی اعلان کر چکے ہیں کہ کرسٹیان رومیرو ارجنٹینا کے نئے کپتان ہوں گے، جبکہ ایمیلیانو مارٹینیز قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے لیے اگلی ترجیح ہوں گے۔ تاہم ارجنٹائن کی مشہور نمبر 10 کی جرسی کس کھلاڑی کو ملے گی، یہ سوال اب بھی جواب طلب ہے۔

ڈیاگو میراڈونا کے دور کے بعد ایریل اورٹیگا ان کھلاڑیوں میں شامل تھے جنھوں نے یہ نمبر اپنے نام کیا۔ لیکن 2009 میں جب میسی نے نمبر 10 کی جرسی سنبھالی تو پھر اس بات میں کبھی کوئی ابہام نہیں رہا کہ یہ جرسی کس کی شناخت بن چکی ہے۔ اب میسی کی ریٹائرمنٹ کے بعد ارجنٹینا فٹبال ایک نئے دور میں داخل ہو رہا ہے۔

ماضی میں ماریو کیمپیس، ڈیاگو میراڈونا اور لیونل میسی نے اس جرسی سے جڑی روایات کو تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ بائیں پاؤں سے کھیلنے والے یہ تینوں غیر معمولی کھلاڑی اپنی ڈرِبلنگ، گیند پر شاندار کنٹرول، تخلیقی صلاحیتوں اور ذہانت کے باعث ارجنٹینا کے فٹبال کی علامت بن گئے۔

میسی کے بعد جن کھلاڑیوں کے متعلق قیاس آرائی کی جا رہی ہے کہ انھیں نمبر 10 کی جرسی مل سکتی ہے ان میں نیکو پاز اور فرانکو ماستانتونو کے نام سرِ فہرست ہیں۔ بائیں پاؤں سے کھیلنے والے 22 سالہ مڈفیلڈر نیکو پاز اپنی تخلیقی صلاحیت، کھیل کے دوران مؤثر نقل و حرکت اور کھیل کی عمدہ سمجھ بوجھ کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ان کے کھیل میں مہارت اور تحمل کا ایسا امتزاج دکھائی دیتا ہے جو انھیں حتمی حملوں میں فرق پیدا کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ وہ نہ صرف مواقع تخلیق کر سکتے ہیں بلکہ فیصلہ کن لمحات میں میچ کا رخ بدلنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ نمبر 10 کی جرسی کے مستقبل کے ممکنہ امیدواروں کی فہرست میں فرانکو ماستانتونو کا نام بھی نمایاں ہے۔ صرف 19 برس کی عمر میں ماستانتونو بائیں پاؤں کی غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی طاقتور شاٹ، گیند پر قریبی کنٹرول اور مدافع کھلاڑیوں کو آسانی سے پیچھے چھوڑنے کی صلاحیت انھیں نمایاں بناتی ہے۔ ان کا لمبا اور دبلا جسمانی ڈھانچہ بھی ان کے کھیل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ گیند کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے اور بغیر گیند کے مؤثر دوڑیں لگاتے ہوئے حریف دفاع پر دباؤ ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

شام کے سائے تلے

تفسیر شہاب کا جگری دوست تھا، اگر اسے اسٹیشن پر ریسیو نہ کیا جاتا تو بگڑ جاتا، اس لئے نجانے کتنے عرصے کے بعد شہاب نے ریلوے اسٹیشن پر قدم رکھا تھا۔ سیاہ چادر گیٹ سے نکلی، ٹکٹ چیکر جگہ چھوڑ چکا تھا اس لئے گیٹ خالی پڑا تھا

تحریر: بسمیٰ راحت

(قسط نمبر 117)

......گذشتہ قسط کا آخری پیراگراف)

''لاحول ولاقوۃ، کیا عجیب لفظ استعمال کیا ہے تم نے ارے مجھے اس لفظ کا مطلب تو سمجھادو، دیور ..دے...ور...کیا مطلب ہوا اس بات کا.....احمق آدمی دیکھو..کیسے گھورے جارہا ہے ہمیں..ندرت کم از کم اس کے جانے سے پہلے اسے کوئی ایسا سبق تو دے دو کہ یہ بھی واپس جانے کے بعد ہمیں یاد کرتا رہے۔''

''ہوں..'' ندرت نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا ''اجازت ہے مالک کی بیٹی

''سو فیصدی اجازت ہے، بس اسے کوئی نقصان نہ پہنچے، لیکن ایسا کرو کہ یاد رکھے زندگی بھر''

''ٹھیک ہے اگر آپ کی ہدایت ہے تو ہو جائے گا یہ کام بھی۔'' ندرت نے کہا اور ثناء مسکرانے لگی پھر بولی۔

'آؤ کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے اس شخص کو اس وقت اپنے اوپر مسلط نہیں کرنا ہے۔''

''تو پھر اپنے کمرے ہی میں چلو'' ندرت نے نجانے کس خوف کے تحت کہا، اختر کی نگاہیں اسے اپنے وجود مین چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ثناء نے انکار نہیں کیا اور دونوں کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل پڑیں۔

خالد نے اختر کو اپنے کمرے میں بلایا جب اختر اندر پہنچا تو خالد نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پرچہ اختر کے ہاتھ میں تھمادیا اور اختر نے دلچسپی سے اسے کھولا

(آگے پڑھیئے)

''کیا بات ہے آخر ثناء بھابھی نے ہتھیار ڈال دیئے نا'' وہ مسکراتا ہوا بولا، لیکن پرچہ کھولنے کے بعد اس کا چہرہ سنجیدہ ہوگیا، یہ خط عادل حسین صاحب کا تھا کینیڈا سے آیا تھا اور اس میں ان دونوں سے کہا گیا تھا کہ اب چونکہ انہیں پاکستان میں کافی دن ہوگئے ہیں چنانچہ وہ واپس آجائیں، کچھ ایسے معاملات ہیں جن کی تکمیل ضروری ہے، اختر نے کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار ہو کر خالد کی طرف دیکھا اور خالد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کیا خیال ہے اپنی ثناء بھابھی کے اس خط کے بارے میں ۔''

''سبحان اللہ، گویا آپ بھی اب پر مذاق ہوگئے ہیں منطق کی رو سے۔'' اختر فوراً ہی خود کو سنبھال کر بولا۔

''ہاں بھئی کبھی کبھی خوش مزاجی کا مظاہرہ بھی ضروری ہے۔''

''ہاں ہاں یقیناً اور خاص طور سے ایسے لمحوں میں جب دل پر قیامت بیت گئی ہو اور اپنے آپ کو دوسروں سے چھپانا بھی مقصود ہو۔'' اختر بولا اور خالد جھینپ گیا پھر بولا۔

''بکواس کرنے میں میں کبھی تم سے جیتا ہوں میں نے تو ہمیشہ ہی شکست مانی ہے۔''

''بس گڑبڑ ہوگئی اگر میں ڈاکٹر ہوتا تو مرض کی تشخیص میں اپنا ثانی نہ رکھتا، دیکھ لیجئے صرف نس پر ہاتھ رکھتا ہوں جو وجہ تکلیف ہوتی ہے بہر حال بڑے بھائی یہ تو آپ پر منحصر ہے کہ آپ اپنے درد کی دوا کیسے کرتے ہیں۔''

''اوہ ڈاکٹر کے بچے میں تجھ سے فضول باتیں نہیں کرنا چاہتا اب یہ بتاؤ واپسی کا کیا پروگرام رہے گا۔''

''اماں بڑے بھائی صاحب، والد صاحب قبلہ نے یہ تھوڑی کہا ہے کہ اس خط کو تار سمجھو اور خود لیٹر بکس میں گھس جاؤ، یعنی واپسی کے لئے، ٹھیک ہے جانا تو ہمیں تھا لیکن جس مقصد کے تحت آئے تھے اس کی وضاحت نہیں ہوسکی۔''

''مطلب؟'' خالد نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''ثناء بھابھی کا جواب، میرا مطلب ہے ثناء صاحبہ کا جواب، آخر آپ والد صاحب کو کیا جواب دیں گے؟''

''دیکھو اختر، میں خود بھی ضرورت سے زیادہ بے باکی کا قائل نہیں ہوں، تمہارا کیا خیال تھا کیا میں اس لئے یہاں آیا تھا کہ میں والد صاحب کے اشارے پر ایک عدد عشق کرڈالوں، ثناء کو لے کر سمندر کی لہروں پر اور کبھی کسی باغ میں چھلانگیں لگاتا پھروں اور فلمی گانے گاؤں اور اس کے بعد ہم دونوں ایک دوسرے سے پیمان وفا کریں اور پھر اس بیان کی تکمیل کی جائے، ثناء ایک حقیقت پسند لڑکی ہے اور سچ بات یہ ہے کہ جس ماحول کی پروردہ ہے اس کے مطابق اس نے خود کو ڈھالا ہے، نہ خود میں کوئی ایسی انفرادیت پیدا کی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرے، یہ الگ بات ہے کہ احسان صاحب کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے دوسرے ہی اس سے لاڈ کرتے ہیں، لیکن شاید تم نے محسوس کیا ہو کہ اس لاڈ سے اس کی طبیعت میں کوئی ایسی بات نہیں پیدا ہوسکی ہے جو گھناؤنی ہوتی ہو، وہ ایک نارمل لڑکی ہے تفریح پسند ہے الہڑ ہے، ہنگاموں اور شوخیوں سے دلچسپی رکھتی ہے، اب ظاہر ہے میں نے اس سے باقاعدہ اظہار عشق تو نہیں کیا سیدھی سیدھی بات کرلی اور اس نے بڑی سادگی سے اپنے ذہن کے مطابق جواب دے دیا۔ کیا یہ الفاظ تم کم سمجھتے ہو اس جیسی لڑکی کی زبان سے کہ اگر شادی کرنا ہی پڑی تو پھر وہ مجھ سے شادی کرے گی، بس یہ جواب قبلہ وکعبہ ہے لئے کافی ہے، اس کے بعد کے جواب بزرگ جانیں۔''

''ایک سوال کرلوں بڑے بھائی؟''

''کیا بڑے بھائی بڑے بھائی لگا رکھی ہے تمیز سے بات کرو۔''

''سوری مسٹر خالد صاحب ایک سوال کرلوں اجازت ہے۔''

''بکو۔'' خالد نے کہا۔

''فرض کیجئے محترمہ ثناء صاحبہ شادی سے یکسر انکار کردیتی ہیں تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟'

''اطمینان رکھو، گلی کوچوں میں المیہ نغمے نہیں گاتا پھروں گا۔'' خالد نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا اور اختر مسکرانے لگا۔

''ہوں بہر طور خدا بہتر کرے یہ اس خادم کے لئے اب کیا حکم ہے؟''

''طئے کرو کہ کب روانہ ہونا ہے، میرا خیال ہے ہم احسان صاحب کی واپسی کا انتظار تو کریں گے ہی، وہ آج کل شاید یہاں موجود نہیں ہیں۔'' خالد نے کہا۔

''ہاں باہر گئے ہوئے ہیں کسی کاروباری سلسلے میں۔'' اختر نے جواب دیا۔

''رات کو کھانے کی میز پر یہ معلوم کرلیں گے کہ ان کی واپسی کب تک متوقع ہے، مل کر تو جانا چاہیئے ممکن ہے ڈیڈی کے لئے کوئی پیغام بھیجیں''

''ارے ہاں ہاں کیوں نہیں، اور ویسے بھی یہ نالائقی ہوگی آخر سسر صاحب کی دعائیں ساتھ لے جانا ضروری ہے اور پھر ممکن ہے جس پیغام کی آپ توقع کر رہے ہو وہ بھی مل ہی جائے منطق کی رو سے'' اختر نے بدستور شرارت آمیز لہجے میں کہا اور خالد مسکرانے لگا۔

''تجھ سے باتیں کرتے ہوئے واقعی ذہن کو بڑا قابو میں رکھنا پڑتا ہے جیسے مقامی سڑکوں پر گاڑی چلائے ہوئے۔'' خالد نے کہا اور اختر زور سے ہنسنے لگا۔

''بس ہمارے تمہارے درمیان صرف کاروباری ملاقات ہی رہنی چاہیئے اس سے زیادہ موزوں نہیں ہوتا چنانچہ گیٹ آؤٹ۔''

اختر ہنستا ہوا باہر نکل گیا تھا، خالد کی اس اطلاع پر اسے بھی ایک عجیب سی کیفیت کا احساس رہا تھا، حقیقت یہ تھی کہ کینیڈا کی رنگین زندگی جہاں عورت کی بے وقعتی ضرب المثل ہے، یہ ماحول ایک عجیب وغریب حیثیت کا حامل تھا، یہاں اقدار کی بلندیاں تھیں رشتوں کا تقدس تھا، صنف کی حرمت تھی اور یہ سب کچھ بہت عرصے سے ان کی نگاہوں سے اوجھل تھا، انہیں یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے ایک طویل دورے کے بعد اپنی دنیا اپنے گھر میں واپس آئے ہوں، حالانکہ یہ جگہ ان کا گھر نہیں تھی، لیکن یہاں کے ماحول میں آکر شاید کسی کو بھی اجنبیت کا احساس نہ ہوسکتا ہو، سبھی ایک دوسرے سے محبت کا برتاؤ کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی جھڑپیں دلچسپ چٹکلے، تفریحی ماحول اور ان تمام چیزوں میں ایک پاکیزگی ایک تقدس جو انسانی فطرت کی ازل سے خواہش رہا ہے، یہ دوسری بات ہے کہ فطرت کو مختلف راستوں پر موڑ کر نجانے کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا ہے، تاہم وہ پیاس شدت سے محسوس کی جاتی رہی یہ جو اس فطرت کا خاصہ ہے، یورپ میں ان چیزوں کا فقدان تھا اس لئے وہاں بے چینی پھیلی ہوئی تھی، ان دونوں نے بالغ نظری سے ان تمام چیزوں کا جائزہ لیا تھا اور اس پر اچھی طرح سے سوچا تھا۔ فطرتاً دونوں نیک طبع تھے، اس لئے اس ماحول سے انہیں عشق سا ہوگیا۔

اختر کے ذہن کی گہرائیوں میں واقعی ندرت کا تصور جاگزیں ہوگیا تھا اور اس یہ کوئی تفریحی گفتگو نہیں تھی خالد کو تو باقاعدہ یہاں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ احسان صاحب کی بیٹی سے اس کی بچپن کی نسبت تھی، لیکن اختر کا معاملہ بالکل مختلف ہوگیا تھا، ندرت کی شوخ طبیعت دل کو بھا گئی تھی، اور اس لڑکی کے اندر اختر کو کچھ ایسی چیزیں نظر آئی تھیں جو نظر انداز نہیں کی جاسکتی تھیں، یہ بات اس خاندان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی کہ کون کس حیثیت کا مالک ہے، کبھی اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی، طبقاتی فرق کا تصور بھی کبھی زیر گفتگو نہیں الایا تھا، اس لئے اختر نے اس بات پر کبھی غور نہیں کیا تھا کہ ندرت کون ہے، ندرت نے آج کی گفتگو میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ وہ کسی پسماندہ خاندان کی لڑکی نہیں ہے وہ کچھ بھی تھی اپنی ذات میں بہت کچھ تھی۔

اپنے کمرے میں آکر اختر دیر تک اس کے بارے میں سوچا میں سوچتا رہا تھا، نجانے کیوں اس کی شریف فطرت میں ایک سنجیدگی کی لہر آگئی تھی، ابھی خالد کے سامنے وہ اپنے مزاج کے مطابق گفتگو کرتا رہا تھا، لیکن اپنے کمرے میں پہنچ کر اور اس خط کا مضمون دیکھ کر جو ان کے باپ نے انہیں لکھا تھا اختر کو ایک عجیب سی بے کلی کا احساس ہونے لگا تھا، اگر یہاں سے اسی طرح واپس چلا جایا جائے تو نجانے کیا ہو۔

ایک بار پھر اس نے اپنے ذہن کو ٹٹولا، کیا ندرت سے یہ لگاؤ وقتی تو نہیں ہے، کہیں ایس تو نہیں ہے کہ وہ اس ماحول سے متاثر ہوگیا ہو اور آئندہ زندگی میں یہ سب کچھ اس کے ذہن سے نکل جائے۔ دل میں کبھی اس سے پہلے یہ احساس نہیں جاگا تھا اور اب جاگا تھا تو ہمیشہ کے لئے جاگ اٹھا تھا، انہیں کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا کیا کیا جائے، یہ کافی غور کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آیا، کافی دیر کمرے میں تنہا بیٹھے بیٹھے گزر گئی، طبیعت اوبھنے لگی، اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا، باہر کے حصے میں خاموشی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا، کوٹھی کے مکین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، اس کی نگاہ کوارٹروں کی جانب اٹھ گئی، اور پھر نجانے کیوں اس کے قدم خود بخود آگے بڑھ گئے، احسان صاحب کیونکہ ملک سے باہر تھے اس لئے غلام احمد صاحب گھر پر ہی تھے۔

تین نمبر کے سامنے اس کے پاؤں رکے اور دوسرے لمحے نجانے کیوں اس نے دروازے پر دستک دے ڈالی۔ یہ ایک خطرناک قدم تھا، لیکن اب جو کچھ کرنا تھا کر ہی چکا تھا، دروازہ غلام احمد صاحب نے کھولا تھا، عصمت یونیورسٹی گئی ہوئی تھی ندرت باورچی خانے میں کام کررہی تھی اماں بی اور شوکت جہاں اندر بڑے کمرے میں تھیں، غلام احمد صاحب اختر کو جانتے تھے، کسی نے انہیں ان دونوں بھائیوں کے بارے میں بتادیا تھا، اختر کو وہاں کھڑے دیکھ کر بھونچکے ہوگئے اور جلدی سے مستعد ہوکر بولے۔

''اوہو اختر صاحب آپ نے کیوں تکلیف کی میرے لئے لے پیغام بجھوادیا ہوتا میں حاضر ہوجاتا، معافی چاہتا ہوں دراصل...''

''ارے ارے انکل آپ ایسی باتیں کیوں کررہے ہیں، میں آپ کو کیوں بلواتا میں سمجھ نہیں سکا۔'' اختر نے کہا۔

''کہیں جانا ہے اختر میاں معاف کیجئے ذرا بے تکلفی سے بول رہا ہوں لیکن کیا کریں ہم لوگوں کی تہذیب ہی یہی ہے۔''

''اور میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ آپ نجانے کویں اس طرح الجھ گئے ہیں، بس ٹہلتا ہوا اس طرف نکل آیا تھا۔ یہ علم تھا کہ احسان چچا کے نہ ہونے کی وجہ سے آپ گھر پر ہی موجود ہیں۔ دراصل باہر کی زندگی میں انسان کو کچھ بری عادتیں لگ جاتی ہیں، جن میں سے ایک بری عادت اپنے ہم وطنوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی خواہش بھی ہے، میں کینیڈا واپس جارہا ہوں، سب لوگوں سے ملاقات کرنا تھی، ابتداء آپ سے کی ہے۔'' اختر بات بنانا جانتا تھا چنانچہ بات نبھا گیا، غلام احمد صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے، ایک لمحے کے لئے جھجک کا احساس رہا لیکن پھر فطری خودداری ابھر آئی اور انہوں نے دروازے سے ہٹ کر راستہ دیتے ہوئے کہا۔

''تو پھر میں آپ کو اندر آنے کی دعوت بھی دوں گا۔''

''بھی سے آپ کی کیا مراد ہے، آیا اسی لئے ہوں کہ آپ سے کچھ دیر باتیں کروں۔'' اختر نے دروازے سے اندر قدم رکھتے ہوئے جواب دیا، غلام احمد صاحب اسے لئے ہوئے برآمدے میں پہنچ گئے جہاں نشست کے لئے کچھ کرسیاں وغیرہ رکھی ہوئی تھیں، ندرت اچانک ہی باورچی خانے سے باہر آئی تھی اور اختر کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ششدر رہ گئی تھی، دوسرے لمحے وہ پھر باورچی خانے میں گھس گئی اس کے ذہن میں کیا تھا اس کا اندازہ مشکل تھا لیکن اختر نے اس کی ایک جھلک دیکھ لی تھی۔

(جاری ہے)

کیا عالمی موسم ایک نئی کروٹ لینے والا ہے؟

بحرالکاہل کی تہوں میں جمع غیر معمولی حرارت اور بدلتے عالمی موسمیاتی امکانات

(دوسرا اور آخری حصہ)

یہی نکتہ 2024 کے تجربے سے بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ عالمی موسمیاتی ادارے کے مطابق 2023-24 کا مضبوط ایل نینو عالمی درجہ حرارت پر عارضی اضافی اثر ڈالنے والے عوامل میں شامل تھا اور انسانی سرگرمیوں سے پیدا ہونے والی طویل مدتی حدت کے ساتھ مل کر 2024 کے غیر معمولی عالمی درجہ حرارت میں کردار ادا کرتا رہا۔ اس تاریخی تجربے کی روشنی میں 2026-27 کے واقعے کی نگرانی اس لیے بھی اہم ہے کہ اگر ایل نینو بہت مضبوط سطح تک پہنچتا ہے تو عالمی حرارتی ریکارڈ اور شدید گرمی کے واقعات کے تناظر میں اس کے اثرات کا الگ سے جائزہ لینا ہوگا۔

تاہم سائنس ہمیں یہ بھی سکھاتی ہے کہ ایک واقعے کو دوسرے واقعے کی مکمل نقل سمجھنا خطرناک ہوسکتا ہے۔ ہر ایل نینو کی پیدائش، اس کی سمندری ساخت، فضائی گردش، شدت، دورانیہ اور اختتام کا طریقہ مختلف ہوسکتا ہے۔ اسی لیے 2026-27 کے بارے میں ماضی کے واقعات سے موازنہ ضرور کیا جاسکتا ہے، مگر حتمی نتیجہ صرف موجودہ مشاہدات سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔

زرعی معیشتوں کے لیے موسمی پیش گوئی اس لیے اہم ہوتی جارہی ہے کہ کسان محض بارش کے آنے یا نہ آنے پر منحصر نہیں رہنا چاہتے بلکہ انہیں پہلے سے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ موسم کا عمومی رجحان کس سمت جاسکتا ہے۔ بیج بونے کا وقت، فصل کا انتخاب، آب پاشی کی منصوبہ بندی، پانی کے ذخائر کا انتظام اور شدید موسمی واقعات سے بچاؤ سبھی بہتر پیش گوئی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح حکومتوں کے لیے بھی موسمیاتی معلومات محض سائنسی رپورٹ نہیں بلکہ منصوبہ بندی کا بنیادی ذریعہ بن سکتی ہیں۔

پانی کے حوالے سے پاکستان کی حساسیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ملک کے بڑے دریائی نظام کا تعلق برفانی ذخائر، بارش اور موسمی بہاؤ سے ہے۔ اگر مختلف موسمی عوامل ایک دوسرے کے ساتھ مل کر بارش یا درجہ؟ حرارت کے نمونے تبدیل کردیں تو پانی کی دستیابی کا وقت اور مقدار دونوں متاثر ہوسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایل نینو جیسے عالمی مظہر کو پاکستان کے لیے کسی ایک قطعی پیش گوئی کے بجائے خطرات اور امکانات کے وسیع تر فریم میں دیکھنا زیادہ مناسب ہے۔

یہاں جدید موسمیاتی سائنس کی ایک اور جہت سامنے آتی ہے: پیش گوئی اب صرف "بارش ہوگی یا نہیں ہوگی" تک محدود نہیں رہی۔ جدید ماڈلز فضا، سمندر، برف، زمین، نمی اور متعدد دیگر عوامل کو باہم مربوط کرکے ممکنہ حالات کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مصنوعی سیارے سمندری سطح اور بادلوں کی نگرانی کرتے ہیں، سمندر میں نصب آلات گہرائی کے درجہ حرارت اور نمکیات کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں، جب کہ کمپیوٹر ماڈلز ان مشاہدات کو مستقبل کے ممکنہ منظرناموں میں تبدیل کرتے ہیں۔

مگر جتنی طاقت ور یہ ٹیکنالوجی ہے، اتنی ہی اہم اس کی حدود کو سمجھنا بھی ہے۔ موسمیاتی نظام ایک پیچیدہ اور غیر خطی نظام ہے۔ ایک معمولی تبدیلی بعض حالات میں بڑے اثرات پیدا کرسکتی ہے، جب کہ کبھی بڑی تبدیلی کا مقامی اثر محدود بھی رہ سکتا ہے۔ اسی لیے ماہرین امکانات، اعتماد کی سطح اور غیر یقینی پن کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ عام قاری کے لیے یہ زبان کبھی کبھی محتاط یا مبہم محسوس ہوسکتی ہے، لیکن یہی سائنسی دیانت ہے۔ فطرت کے بارے میں "یقینی" دعویٰ وہاں نہیں کیا جاسکتا جہاں اعداد و شمار صرف امکان کی اجازت دیتے ہوں۔

ایل نینو کے حوالے سے ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ واقعہ موسمیاتی تبدیلی کے بڑے عالمی تناظر سے الگ ہے؟ یہاں بھی جواب سادہ نہیں۔ ایل نینو ایک قدرتی سمندری و فضائی مظہر ہے، جب کہ عالمی درجہ حرارت میں طویل مدتی اضافہ ایک الگ موسمیاتی عمل ہے۔ تاہم دونوں ایک ہی سیاروی نظام میں وقوع پذیر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے اثرات کے مشاہدے کو پیچیدہ بنا سکتے ہیں۔ کسی ایک ایل نینو کو عالمی حدت کا واحد نتیجہ قرار دینا درست نہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ گرم تر دنیا میں شدید گرم موسمی واقعات کے مجموعی اثرات زیادہ سنگین ہوسکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ 2026-27 کا واقعہ صرف ایک موسمی خبر نہیں بلکہ عالمی موسمیاتی نظام کی پیچیدگی کو سمجھنے کا ایک موقع بھی ہے۔ سائنس دان اس واقعے کو نہ صرف موجودہ موسم کی پیش گوئی کے لیے دیکھ رہے ہیں بلکہ اس لیے بھی دیکھ رہے ہیں کہ سمندر اور فضا کے درمیان توانائی کا تبادلہ کس طرح ہوتا ہے، عالمی گردش کس طرح ردعمل دیتی ہے اور مختلف خطوں میں اس کے اثرات کس طرح پھیلتے ہیں۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ ایل نینو ہمیں زمین کے بارے میں ایک بنیادی حقیقت بھی یاد دلاتا ہے: کرہ؟ ارض ایک دوسرے سے جدا خطوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک مربوط نظام ہے۔ بحرالکاہل میں ہونے والی تبدیلی بحرِ ہند، فضا کی گردش، بادلوں کے راستوں اور دور دراز علاقوں کے موسمی حالات سے جڑ سکتی ہے۔ زمین کی فضا کسی سرحد کو پاسپورٹ نہیں دکھاتی، سمندری دھارائیں سیاسی نقشے نہیں دیکھتیں اور حرارت کسی ملک کی حدود میں قید نہیں رہتی۔

یہی عالمی باہمی انحصار جدید موسمیاتی سائنس کی اصل معنویت ہے۔ ایک صدی پہلے موسم کی خبر زیادہ تر مقامی مشاہدے، بادلوں، ہوا اور تجربے سے حاصل کی جاتی تھی۔

آج انسان زمین کے گرد گردش کرتے مصنوعی سیاروں سے لے کر سمندر کی گہرائی میں تیرتے آلات تک، ایک وسیع مشاہداتی نظام قائم کرچکا ہے۔ مگر اس تمام ترقی کے باوجود فطرت ہمیں مسلسل یہ احساس دلاتی ہے کہ معلومات میں اضافہ پیش گوئی کی صلاحیت بڑھا سکتا ہے، مگر غیر یقینی پن کو مکمل طور پر ختم نہیں کرسکتا۔

یہ سوال بھی اہم ہے کہ اگر موجودہ ایل نینو واقعی تاریخی شدت تک پہنچتا ہے تو دنیا کو اس سے کیا سیکھنا چاہیے؟ شاید سب سے بڑا سبق یہ ہوگا کہ موسمیاتی خطرات کو واقعے کے بعد سمجھنے کے بجائے پہلے سے سمجھنا ضروری ہے۔ سیلاب آنے کے بعد بند باندھنے کے بجائے خطرے کی پیشگی نقشہ بندی، خشک سالی کے بعد پانی تلاش کرنے کے بجائے ذخائر کی منصوبہ بندی، فصلوں کے نقصان کے بعد امداد دینے کے بجائے پہلے سے زرعی حکمتِ عملی بنانا زیادہ موثر راستہ ہے۔

اسی طرح شہری منصوبہ بندی بھی موسمیاتی پیش گوئی سے الگ نہیں رہ سکتی۔ ساحلی شہر، بڑے دریا کے کنارے آباد علاقے، پہاڑی وادیوں میں واقع بستیاں اور خشک سالی سے متاثر ہونے والے خطے ہر ایک کو اپنے مخصوص موسمی خطرات کے مطابق منصوبہ بندی درکار ہے۔ کراچی ہو یا لاہور، سندھ کا دریائی علاقہ ہو یا شمالی پہاڑی خطہ، موسمیاتی معلومات کو شہری اور معاشی منصوبہ بندی کا حصہ بنانا آنے والے برسوں میں مزید اہم ہوسکتا ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں سائنسی معلومات کو عملی حکمتِ عملی میں تبدیل کرنے کی ضرورت پیدا ہوتی ہے۔ عالمی موسمیاتی ادارہ بھی زور دیتا ہے کہ موسمیاتی پیش گوئی کا اصل مقصد محض مستقبل کے موسم کی خبر دینا نہیں بلکہ حکومتوں، انسانی امدادی اداروں، زراعت، صحت، پانی اور توانائی کے شعبوں کو پہلے سے تیاری کا موقع دینا ہے۔ اگر پیش گوئی میں کسی شدید موسمی خطرے کا امکان بڑھ رہا ہو تو اس اطلاع کو بروقت مقامی منصوبہ بندی تک پہنچانا ہی ابتدائی انتباہی نظام کی اصل کامیابی ہے۔

اس اعتبار سے 2026-27 کا ایل نینو ایک سائنسی امتحان کے ساتھ ساتھ انتظامی امتحان بھی ہے۔ کیا دنیا اپنے پاس موجود سائنسی معلومات کو بروقت فیصلوں میں تبدیل کرسکے گی؟ کیا پانی کے ذخائر، زرعی منصوبہ بندی، شہری نکاسی آب، صحت عامہ اور توانائی کے نظام ممکنہ موسمی تغیرات کے لیے پہلے سے تیار کیے جاسکیں گے؟ یہ سوال صرف ماہرینِ موسمیات کے نہیں بلکہ ریاستی اداروں، معیشت دانوں، زرعی ماہرین، شہری منصوبہ سازوں اور عام معاشرے کے بھی ہیں۔

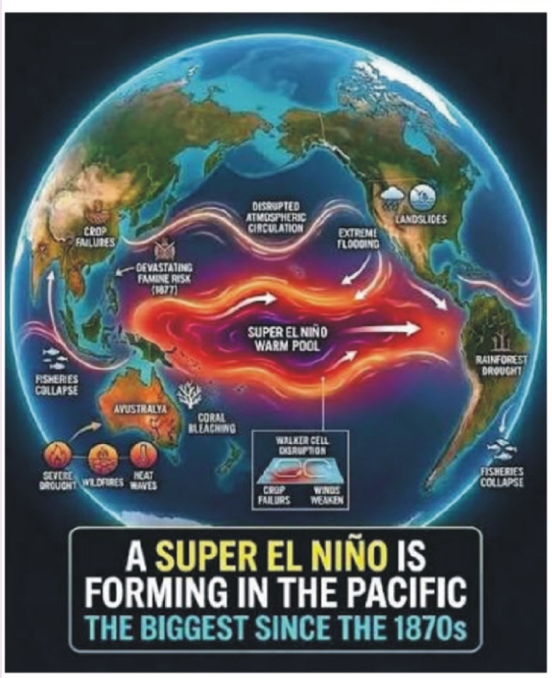

ماضی کے شدید ایل نینو واقعات نے یہ دکھایا ہے کہ سمندر کی سطح پر ہونے والی تبدیلیاں کس طرح عالمی سطح پر نمایاں موسمیاتی اثرات پیدا کرسکتی ہیں۔ لیکن ہر نیا واقعہ ہمیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ قدرت ایک ہی نقشہ دوبارہ نہیں بناتی۔ 1982-83، 1997-98 اور 2015-16 کے تجربات موجودہ واقعے کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، مگر 2026-27 کی اپنی مخصوص سمندری، فضائی اور جغرافیائی خصوصیات ہیں۔ اسی لیے ماضی کو آئینہ سمجھنا چاہیے، سانچا نہیں۔

یہاں انسانی علم کی ایک خوب صورت حد بھی سامنے آتی ہے۔ سائنس مستقبل کو ایک قطعی لکیر کے طور پر نہیں دیکھتی بلکہ امکانات کے دائرے میں دیکھتی ہے۔ آج ہمارے پاس مصنوعی سیاروں، سمندری پیمائش کے آلات، خودکار مشاہداتی نظام، کمپیوٹر ماڈلز اور عالمی ڈیٹا نیٹ ورکس کی ایسی قوت موجود ہے جو چند دہائیاں پہلے تصور بھی نہیں کی جاسکتی تھی، مگر اس کے باوجود فطرت کا ہر راز مکمل طور پر ہمارے سامنے نہیں آتا۔

بحرالکاہل کی موجودہ صورتِ حال اسی حقیقت کی یاد دہانی ہے۔ سمندر کی سطح بظاہر خاموش ہوسکتی ہے، مگر اس کی تہوں میں موجود غیر معمولی حرارت، فضا میں بدلتی ہوئی ہوائیں اور بادلوں کی حرکت ایک ایسے موسمیاتی عمل کی تشکیل کررہی ہے جس کے اثرات آنے والے مہینوں میں دنیا کے مختلف حصوں میں محسوس ہوسکتے ہیں۔ اگست میں نینو-3.4 کی ماہانہ قدر +1.8°C تھی، ستمبر کے وسط میں تازہ ہفتہ وار قدر +2.0°C تک پہنچ گئی، مشرقی استوائی بحرالکاہل کے بعض حصوں میں سطحی انحراف +3.0°C سے تجاوز کرچکا ہے اور زیرِ سطح بعض مقامات پر معمول سے +10.0°C سے زیادہ انحراف موجود ہے۔

اب اگلا فیصلہ کن مرحلہ 2026 کے آخری مہینوں اور 2027 کے ابتدائی حصے میں سامنے آئے گا۔ این او اے اے کے مطابق اکتوبر تا دسمبر 2026 میں +2.5°C یا اس سے زیادہ آر او این آئی کی "تاریخی" سطح تک پہنچنے کا امکان 75 فی صد ہے، جب کہ شمالی نصف کرہ ارض کی خزاں اور موسمِ سرما کے دوران بہت مضبوط ایل نینو کے امکانات 90 فی صد سے زیادہ ہیں۔

اگر یہ پیش گوئی عملی مشاہدات میں بھی برقرار رہتی ہے تو 2026-27 کا ایل نینو جدید موسمیاتی ریکارڈ کے اہم ترین واقعات میں شمار ہوسکتا ہے۔ لیکن اس کا اصل تاریخی مقام اس وقت طے ہوگا جب پورا واقعہ مکمل ہوجائے گا اور سائنس داں اس کے مشاہدہ شدہ اعداد و شمار کو سابقہ واقعات کے ساتھ حتمی طور پر موازنہ کرسکیں گے۔

اس لیے آج کی سب سے ذمہ دار سائنسی بات یہ نہیں کہ دنیا نے یقینی طور پر تاریخ کا سب سے طاقت ور ایل نینو دیکھ لیا ہے، بلکہ یہ ہے کہ دنیا ایک ایسے ایل نینو کے درمیان کھڑی ہے جس کے بہت مضبوط ہونے کے امکانات غیر معمولی حد تک بلند ہیں اور جس کے تاریخی سطح تک پہنچنے کا امکان بھی نمایاں ہے۔ یہی فرق خبر اور سائنس کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

فطرت اپنے فیصلے اعداد کے ذریعے سناتی ہے، مگر ان اعداد کو سمجھنے کے لیے صبر، احتیاط اور مسلسل مشاہدہ درکار ہوتا ہے۔ بحرالکاہل کی تہوں میں جمع ہونے والی یہ غیر معمولی حرارت شاید آنے والے موسموں کی ایک بڑی کہانی لکھ رہی ہے۔ اس کہانی کا اگلا باب 2026 کے اختتام اور 2027 کے آغاز میں کھلے گا؛ اور تب شاید دنیا کو زیادہ واضح طور پر معلوم ہوگا کہ سمندر کی تہوں میں جمع ہونے والی اس حرارت نے عالمی موسم کے نقشے پر کتنی گہری لکیر کھینچی ہے۔

☆......☆

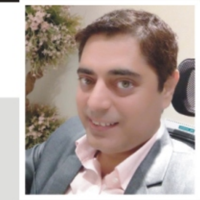

ساجد خان
(لاہور بیورو)

نانا پاٹیکر 75 برس کی عمر میں ناگہانی وفات پا گئے

منفرد اندازِ اداکاری، شدتِ جذبات نامور بالی ووڈ اور مراٹھی سینما کے عظیم اداکار

یادگار کرداروں کے ذریعے لاکھوں ناظرین کے دلوں میں گھر کرنے والے نانا پاٹیکر کی وفات نے نہ صرف ہندی اور مراٹھی سینما بلکہ پورے برصغیر کے فلمی حلقوں میں ایک ایسا خلا چھوڑ دیا ہے جسے پر کرنا مشکل ہوگا۔

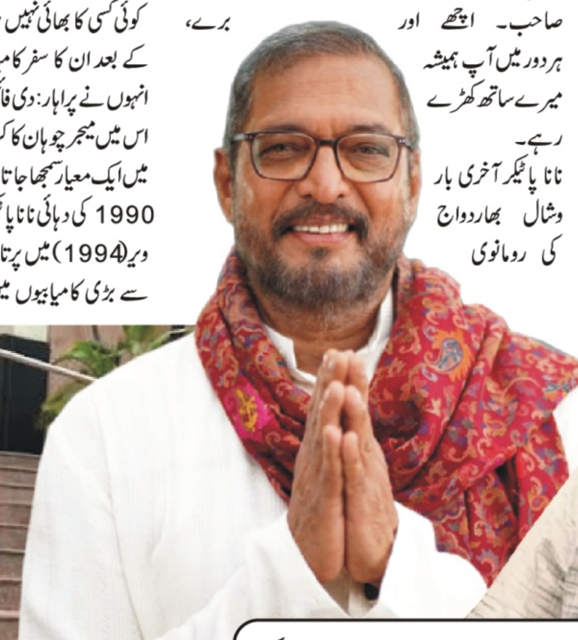

ہمارے بعد محفل میں افسانے بیان ہوں گے

بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی، ہم نا جانے کہاں ہوں گے

نامور بالی ووڈ اور مراٹھی سینما کے عظیم اداکار نانا پاٹیکر 75 برس کی عمر میں ناگہانی وفات پا گئے۔ فلم ترکیب میں یہ یادگار ڈائیلاگ ادا کرنے والے معروف انڈین اداکار اپنے چاہنے والوں کو سوگوار چھوڑ گئے ہیں۔ منفرد اندازِ اداکاری، شدتِ جذبات اور یادگار کرداروں کے ذریعے لاکھوں ناظرین کے دلوں میں گھر کرنے والے نانا پاٹیکر کی وفات نے نہ صرف ہندی اور مراٹھی سینما بلکہ پورے برصغیر کے فلمی حلقوں میں ایک ایسا خلا چھوڑ دیا ہے جسے پر کرنا مشکل ہوگا۔

انڈین خبر رساں ادارے پی ٹی آئی اور دیگر ذرائع کے مطابق نانا پاٹیکر کی وفات جمعرات کی علی الصبح گوا میں واقع اپنی رہائش گاہ پر دل کا دورہ پڑنے سے ہوئی۔ 75 سالہ اداکار کو اپنے اپارٹمنٹ میں بے ہوش پائے جانے کے بعد گوا کے منی پال ہسپتال منتقل کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر شیکھر سلکر کے مطابق 45 منٹ تک مسلسل سی پی آر کے باوجود انہیں بحال نہ کیا جا سکا اور صبح پانچ بج کر بیس منٹ پر انہیں مردہ قرار دے دیا گیا۔

صحافی پراچی پرتیبھا شیریش سے نانا پاٹیکر کے بیٹے ملہار پاٹیکر نے اپنے والد کی وفات کی تصدیق کی ہے اور کہا ہے کہ وہ قدرتی اسباب سے انتقال کر گئے۔ انکے جسم کو پوسٹ مارٹم کیلئے گوا میڈیکل کالج منتقل کیا گیا ہے اور یہ ایک میڈیکو لیگل کیس ہے

انڈیا کے وزیرِ اعظم نریندر مودی نے نانا پاٹیکر کی وفات پر ایکس پر جاری اپنے پیغام میں کہا کہ نانا پاٹیکر ان چند اداکاروں میں سے تھے جن کی شدتِ جذبات، منفرد شخصیت اور سکرین پر موجودگی بے مثال تھی۔ انھوں نے ہر کردار میں غیر معمولی تنوع اور تخلیقی صلاحیت کا مظاہرہ کیا اور ایسے کردار ادا کیے جو نسلوں تک یاد رکھے جائیں گے۔ مودی کے مطابق نانا پاٹیکر اپنی دوٹوک اور بے لاگ رائے کے باعث بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور وہ اپنے نظریات کے اظہار سے کبھی نہیں ہچکچاتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہندی اور مراٹھی سینما کے لیے نانا پاٹیکر کی خدمات بے حد اہم ہیں۔ ان کی وفات نے ایک ایسا خلا چھوڑ دیا ہے جسے پر کرنا مشکل ہوگا۔ میں ان کے اہلِ خانہ، دوستوں اور لاکھوں مداحوں سے دلی تعزیت کا اظہار کرتا ہوں۔

نانا پاٹیکر کی وفات پر سینئر صحافی راج دیپ سردیسائی نے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک شاندار اداکار، لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک پیارے دوست، نانا پاٹیکر اب ہمارے درمیان نہیں رہے۔ کچھ دیر قبل گوا میں ان کی وفات ہو گئی۔ کل ہی ان سے بات ہوئی تھی۔ ان کے آخری الفاظ تھے: کالجی گھے راجا (اپنا خیال رکھنا، راجا)۔

راج دیپ سردیسائی نے مزید کہا کہ میں آپ کو پردے پر بھی اور پردے کے باہر بھی بہت یاد کروں گا، نانا صاحب۔ اچھے اور برے، ہر دور میں آپ ہمیشہ میرے ساتھ کھڑے رہے۔

نانا پاٹیکر آخری بار وشال بھاردواج کی رومانوی ایکشن تھرلر فلم او رومیو میں نظر آئے تھے۔ اس فلم میں شاہد کپور اور ترپتی دمری مرکزی کرداروں میں تھے۔ فروری 2026 میں ریلیز ہونے والی اس فلم میں پاٹیکر نے ممبئی انٹیلی جنس بیورو کے سربراہ اسماعیل خان کا کردار ادا کیا تھا۔ انھوں نے انیل کپور کی صوبیدار میں بھی اداکاری کی تھی، جس کا پریمیئر مارچ 2026 میں پرائم ویڈیو پر ہوا تھا۔ اس سے قبل وہ ہاؤس فل فائیو (2025) اور ونواس (2024) میں بھی نظر آئے تھے۔ پاٹیکر نے 2026 میں پرکاش جھا کی سیاسی ڈراما سیریز سنکلپ کے ذریعے او ٹی ٹی پر بھی ڈیبیو کیا تھا، جس میں انھوں نے ماٹ صاحب/کنہیا لال کا مرکزی کردار ادا کیا تھا۔ ان کی چند فلموں میں پوسٹ ہیومس ریلیز بھی متوقع ہیں جن میں ایتھا، شکتی شالنی اور دی کنفیشن آف میری شامل ہیں۔

نانا پاٹیکر کا فلمی سفر ہندی اور مراٹھی سینما کے سب سے معروف اور بااثر اداکاروں میں سے ایک تھا۔ ان کا کیریئر تقریباً پانچ دہائیوں پر محیط تھا۔ 1 جنوری 1951 کو مہاراشٹر کے مرود جنجیرہ میں وشوناتھ پاٹیکر کے نام سے پیدا ہوئے نانا نے ممبئی کے سر جے جے انسٹی ٹیوٹ آف اپلائیڈ آرٹ سے تعلیم حاصل کی۔ تھیٹر سے ان کا تعلق بہت گہرا تھا۔ ان کی پہلی اسٹیج اداکاری وجیا مہتا کی ہدایت کاری میں ہوئی۔ 1978 میں ریلیز ہونے والی فلم گمن سے بالی ووڈ میں ڈیبیو کیا۔ اس کے بعد کئی سال تک چھوٹے کرداروں میں نظر آتے رہے۔ میرا نائر کی آسکر نامزد فلم سلام بمبئی (1988) میں ان کی کارکردگی نے توجہ حاصل کی۔

1989 میں ودھو ونود چوپڑا کی فلم پرندا میں انا کے کردار نے انہیں قومی سطح پر مشہور کر دیا۔ اس کردار پر انہیں نیشنل فلم ایوارڈ برائے بہترین معاون اداکار اور فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ اس فلم میں ان کے ڈائیلاگ آج بھی یاد کیے جاتے ہیں: دھندے میں کوئی کسی کا بھائی نہیں ہوتا، کوئی کسی کا بیٹا نہیں ہوتا۔ پرندا کے بعد ان کا سفر کامیابیوں سے بھرا رہا۔ 1991 میں انہوں نے پراہار: دی فائنل اٹیک کی ہدایت کاری بھی کی اور اس میں میجر چوہان کا کردار ادا کیا جو آج بھی فوجی کرداروں میں ایک معیار سمجھا جاتا ہے۔

1990 کی دہائی نانا پاٹیکر کے کیریئر کا سنہری دور تھا۔ کرانتی ویر (1994) میں پرتاپ نرائن تلاک کا کردار ان کی سب سے بڑی کامیابیوں میں سے ایک ہے۔ اس فلم پر انہیں نیشنل فلم ایوارڈ برائے بہترین اداکار اور فلم فیئر ایوارڈ ملا۔ فلم کے کئی ڈائیلاگ آج بھی لوگوں کی زبان پر ہیں۔ آ گئے میری موت کا تماشا دیکھنے؟ یہ مسلمان کا خون، یہ ہندو کا خون... بتا اس میں مسلمان کا کونسا، ہندو کا کونسا، بتا! کتے کی طرح جینے کی عادت پڑھی ہے سب کو۔ اوپر والا بھی اوپر سے دیکھتا ہوگا تو اسے شرم آتی ہوگی... نیچے دیکھا تو سب کیڑے بن گئے... کیڑے! ان ڈائیلاگز نے نہ صرف فلم کو بلکہ نانا کی شخصیت کو ایک انقلابی رنگ دے دیا۔

تیرنگا (1993) میں بھی ان کے ڈائیلاگ یادگار ہیں۔ اپنا تو اصول ہے، پہلے لات، پھر بات، اس کے بعد ملاقات۔ یشونت (1997) میں ایک مچھر والا ڈائیلاگ آج بھی مشہور ہے: ایک مچھر سالا آدمی کو ہجڑا بنا دیتا ہے۔ ایک کھٹمل پوری رات کو اپاہج کر دیتا ہے۔ اب تک چھپن (2004) میں انسپکٹر سادھو اگاشے کے کردار میں انہوں نے کہا: ہم سب سسٹم کا حصہ ہیں۔ سسٹم ڈیسائیڈ کرتا ہے، اپن فالو کرتے ہیں۔ ویلکم (2007) اور ویلکم بیک (2015) میں ادے شیٹی کے کردار نے انہیں کامیڈی کی دنیا میں بھی ایک نئی شناخت دی۔ بھگوان کا دیا ہوا سب کچھ ہے، دولت ہے، شہرت ہے، عزت ہے۔ بس ایک نیک اور شریف لڑکا چاہیے تھا۔ کنٹرول ادے، کنٹرول!

نانا پاٹیکر نے نہ صرف منفی اور شدت پسند کردار ادا کیے بلکہ کامیڈی، ڈراما اور میوزیکل میں بھی کمال دکھایا۔ اگنی ساکشی (1996) میں انہیں دوسرا نیشنل ایوارڈ ملا۔ خاموشی: دی میوزیکل، راج نیتی (2010)، اپہرن (2005) اور شکتی: دی پاور (2002) میں بھی ان کی اداکاری کو سراہا گیا۔ مراٹھی سینما میں نٹسمراٹ (2016) ان کی سب سے بڑی کامیابیوں میں سے ایک ہے جس پر انہیں فلم فیئر مراٹھی ایوارڈ ملا۔

اداکاری کے علاوہ پاٹیکر نے پلے بیک سنگنگ میں بھی اپنی آواز کا جادو جگایا۔ انہوں نے یشونت، وجود اور آنچ جیسی فلموں میں گلوکار کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔ نانا پاٹیکر کا کیریئر چار دہائیوں سے زیادہ پر محیط تھا جس دوران انہوں نے اداکاری، ہدایت کاری اور تھیٹر، تینوں شعبوں میں کام کیا۔ 2013 میں انہیں پدم شری سے نوازا گیا۔

سینما سے آگے نانا پاٹیکر کا سب سے بڑا کارنامہ نام فاؤنڈیشن ہے۔ 2015 میں مہاراشٹر میں شدید خشک سالی اور کسان خودکشیوں کی خبریں دیکھ کر انہوں نے ایک لگژری کار خریدنے کے بجائے وہ رقم کسانوں کی مدد میں لگانے کا فیصلہ کیا۔ مکارند انا سپورے کے ساتھ مل کر انہوں نے نام فاؤنڈیشن قائم کیا۔ اس فاؤنڈیشن نے 77 لاکھ سے زیادہ کسانوں کی مدد کی، پچاس ہزار سے زیادہ خاندانوں کو آفت زدہ امداد دی، تقریباً پانچ ہزار بیواؤں کی معاونت کی اور پانی کے وسائل کو بحال کرنے کے بڑے منصوبے چلائے۔ 2246 پانی کے ذرائع اور 178 دریاؤں کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ نانا اکثر کہتے تھے کہ نام فاؤنڈیشن نے انہیں تمام ایوارڈز اور پیسے سے زیادہ خوشی دی ہے۔

نانا پاٹیکر کی آخری عوامی ظاہری شکل 4 اکتوبر 2026 کو گوا میں سامراٹ کلب انٹرنیشنل کے ایک تقریب میں ہوئی جہاں وہ مقامی فنکاروں کے ساتھ ناچے، شمل بجایا اور تھیٹر کے بارے میں بات کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم سب کو ایک دن جانا ہے، میں نہیں جانتا کہ کل میں یہاں ہوں گا یا نہیں۔ لیکن اس سے پہلے مجھے خود سے پوچھنا ہے کہ کیا میں وہ کر پا رہا ہوں جو میں کرنا چاہتا ہوں؟ ان کے یہ الفاظ اب ان کی وفات کے بعد ایک نئی معنویت اختیار کر گئے ہیں۔

نانا پاٹیکر نہ صرف ایک اداکار تھے بلکہ ایک ایسے فنکار جنہوں نے ہر کردار میں اپنی روح جھونک دی۔ ان کی آواز، ان کی نظر، ان کا مختصر اور تیز ڈائیلاگ ڈیلیوری انڈین سینما کی تاریخ کا حصہ بن گئی۔ وہ ہندی اور مراٹھی دونوں زبانوں میں یکساں مہارت رکھتے تھے۔ وہ فوج کے اعزازی کپتان بھی رہے اور 1999 کی کارگل جنگ کے دوران فوجی علاقوں میں خدمات انجام دیں۔

ان کی وفات پر مہاراشٹر حکومت نے ریاستی سطح پر جنازہ کا اعلان کیا ہے۔ ان کے مداح، ساتھی فنکار اور عام لوگ ان کی یاد میں سوگوار ہیں۔ نانا پاٹیکر نے جو کردار ادا کیے وہ صرف فلمی اسکرین تک محدود نہیں رہے بلکہ لوگوں کی زندگیوں کا حصہ بن گئے۔ ان کے ڈائیلاگ آج بھی احتجاج، مزاح اور جذبات کی زبان بنے ہوئے ہیں۔

ہمارے بعد محفل میں افسانے بیان ہوں گے، بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی، ہم نا جانے کہاں ہوں گے۔ نانا پاٹیکر اب جسمانی طور پر ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کے کردار، ان کے ڈائیلاگ اور ان کی سماجی خدمات ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ انڈین سینما نے ایک ایسا ستارہ کھو دیا ہے جو آسمان پر چمکتا رہا اور زمین پر لوگوں کے دکھوں کو بھی محسوس کرتا رہا۔ ان کے اہل خانہ، دوستوں اور لاکھوں مداحوں سے دلی تعزیت۔ نانا پاٹیکر کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ آپ کا فن ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ذہنی امراض اور دماغی صحت: ایک خاموش جنگ جو ہر گھر کو چھوتی ہے

ذہنی صحت 2026ء کے عالمی یوم کا پیغام ہی بنیادی اصول سامنے لاتا ہے کہ حقیقی تجربات کو صرف سننا نہیں بلکہ انہیں حقیقی تبدیلی کا ذریعہ بنانا ہے۔ پارلیمانی سیکرٹری صحت محترمہ رشدا لودھی

غریب ممالک میں دماغی صحت سے متعلق مسائل بہت شدید ہیں کیونکہ انکے پاس علاج معالجے کیلئے ضروری وسائل موجود نہیں ہوتے، پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ

سروسز ہسپتال لاہور میں عالمی یومِ دماغی صحت کے موقع پر خصوصی واک کا اہتمام اور پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ سے خصوصی انٹرویو

مقصود خالد
بیورو چیف لاہور

آج جب دنیا بھر میں 10 اکتوبر کو عالمی یومِ دماغی صحت منایا جا رہا ہے تو پاکستان بھی اس عالمی تحریک کا حصہ بن رہا ہے۔ اس موقع پر سروسز انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (سمز) اور سروسز ہسپتال لاہور نے ایک خصوصی واک کا اہتمام کیا جس میں پارلیمانی سیکرٹری صحت محترمہ رشدا لودھی، پرنسپل سمز پروفیسر شعیب نبی بزدار، میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر رانا خرم آفتاب، ہیڈ آف سائیکاٹری ڈیپارٹمنٹ پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ، ڈاکٹر بینظیر اور مینٹل ہسپتال کے پروفیسرز علی سمیت بڑی تعداد میں ڈاکٹرز، نرسیں، طلبہ اور عام شہریوں نے شرکت کی۔ یہ واک صرف ایک رسمی تقریب نہیں تھی بلکہ اس نے اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کرائی کہ ذہنی صحت اب کوئی ذاتی یا خاندانی معاملہ نہیں رہی بلکہ یہ ایک قومی اور عالمی چیلنج بن چکا ہے۔ اس سال کا موضوع دماغی عارضوں کا

جسمانی صحت سے تعلق ہے، خاص طور پر ذیابیطس اور کینسر جیسے امراض کے ساتھ ان کے گہرے روابط پر روشنی ڈالی جا رہی ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے مطابق دنیا بھر میں تقریباً 45 کروڑ افراد کسی نہ کسی دماغی عارضے کا شکار ہیں جن میں ڈپریشن اور شیزوفرینیا سب سے زیادہ پائے جانے والے امراض ہیں۔ منشیات اور کثرت شراب نوشی بھی اس فہرست میں شامل ہیں جو لاکھوں زندگیوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ غریب اور ترقی پذیر ممالک میں یہ صورتحال اور بھی سنگین ہے کیونکہ وہاں علاج معالجے کے لیے ضروری وسائل، تربیت یافتہ عملہ اور بنیادی سہولیات موجود نہیں ہوتیں۔

پاکستان جیسے ملک میں جہاں آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے، وسائل محدود ہیں اور سماجی رویے ابھی تک ذہنی بیماری کو شرمندگی اور بدنامی سے جوڑتے ہیں، وہاں یہ مسئلہ ایک خاموش وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

آج پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ذہنی امراض کی لپیٹ میں ہے۔ ذہنی صحت زوال پذیر ہو رہی ہے، کشمکش اور تناؤ میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے، انسانی رشتوں کی مطابقت ختم ہوتی جا رہی ہے اور مادیت کے لوازمات اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ انسان اپنے اندرونی سکون کو بھولتا جا رہا ہے۔ مادی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی اور انسانی اقدار میں زوال، سماجی زندگی میں روابط کی کمی اور تنہائی ذہنی صحت کو تیزی سے تباہ کر رہے ہیں۔ خوشیاں مفقود ہو رہی ہیں اور ذہنی و جسمانی عوارض بڑھتے جا رہے ہیں، بالخصوص بڑے شہروں میں نیند کی کمی، جھنجھلاہٹ، غصہ، ڈپریشن، عضلاتی تناؤ اور ان جیسے دیگر کئی عوارض عام ہوتے جا رہے ہیں۔ رب العالمین نے انسان کو عقل کا نور اور ایسا فہم و شعور عطا کیا ہے جس کے ذریعے وہ دانائی و ہوشمندی کے ذریعے اچھے اور برے کی تمیز کرتا ہے اور یہی وہ نعمت ہے جو تمام جانداروں میں انسان کو ممتاز کرتی ہے۔ یاد رکھیں کہ زندگی کے مسائل ہمیں زندہ رہنے کا حوصلہ دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مسائل ہی زندگی کو با مقصد اور دلچسپ بناتے ہیں۔ صرف قبرستان ہی وہ جگہ ہے جہاں کے باسیوں کو کوئی الجھن، کوئی پریشانی نہیں ہے۔ اگر انسان زندہ ہے تو اسے دکھ سکھ اور مختلف

مسائل کا سامنا کرنا ہے اور زندگی کی روانی انہی سے مربوط ہے۔ جب انسان اپنے مسائل سے نمٹنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو اس کے اثرات دوسروں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جب انسان اپنے مسائل کے سامنے ہار مان لیتا ہے تو اس کا ذہن بیمار ہونے لگتا ہے جس کی وجہ سے اس میں کئی قسم کی ذہنی و نفسیاتی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔

عالمی ادارہ صحت دماغی صحت کو ایک ایسے مسئلے کے طور پر سامنے لا رہا ہے جسے صدیوں سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو، یعنی 85 فی صد تک افراد کو دماغی امراض کے کسی علاج تک کوئی

رسائی حاصل نہیں ہے۔ وہاں اس کے لیے بڑے پیمانے پر عملہ رکھنے کی ضرورت ہے۔ وہاں ایسے افراد کی مدد کے لیے کوئی سہولت نہیں ہے اور وہاں اکثر معاشروں میں دماغی بیماری کو شرمندگی اور بدنامی سمجھا جاتا ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ دماغی صحت سے متعلق تقریباً نصف مسائل 15 سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں نوجوان افراد کی شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے اور یہی وہ ممالک ہیں جہاں دماغی صحت کی دیکھ بھال کی سہولتیں نسبتاً بہتر ہیں لیکن اب بھی ناکافی ہیں۔ عالمی ادارہ صحت کا کہنا ہے کہ کم اور درمیانی آمدنی کے حامل ممالک میں ہر دس لاکھ افراد کے لیے بچوں کا صرف ایک نفسیاتی معالج ہے۔ یہ اعداد و شمار خود بخود اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پاکستان جیسے ملک میں جہاں آبادی کروڑوں میں ہے، ماہرین کی تعداد انتہائی محدود ہے اور بنیادی صحت کے نظام میں ذہنی صحت کو ابھی تک وہ اہمیت نہیں دی گئی جو اسے ملنی چاہیے تھی۔

پارلیمانی سیکرٹری صحت محترمہ رشدا لودھی نے واک کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ذہنی صحت 2026ء کے عالمی یوم کا پیغام ہی بنیادی اصول سامنے لاتا ہے کہ حقیقی تجربات کو صرف سننا نہیں بلکہ انہیں حقیقی تبدیلی کا ذریعہ بنانا ہے۔ مریض، صحت یاب ہونے والے افراد، خاندان اور نگہداشت کرنے والے افراد ذہنی صحت کے نظام کے صرف صارف نہیں بلکہ اس کی بہتری کے اہم شراکت دار ہیں۔ پاکستان کو اب ذہنی صحت کے ضمن میں خاموشی، شرمندگی اور تاخیر کے کلچر سے نکل کر آگاہی، بروقت علاج، انسانی حقوق اور کمیونٹی کی بنیاد پر خدمات کی طرف بڑھنا ہوگا، کیوں کہ صحت کا تصور اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک اس میں انسان کے ذہن، جذبات اور سماجی زندگی کو برابر اہمیت نہ دی جائے۔ یہی وقت ہے کہ ذہنی صحت کو صحت کے نظام کے حاشیے سے نکال کر قومی صحت پالیسی کے مرکز میں لایا جائے، کیوں کہ صحت مند جسم کے ساتھ صحت مند ذہن ہی ایک مضبوط فرد، خاندان اور مضبوط پاکستان کی بنیاد بن سکتا ہے۔

ذہنی صحت آج کے دور کا سب سے بڑا چیلنج ہے اور سروسز ہسپتال لاہور میں اس چیلنج سے نمٹنے کے لیے ایک انتہائی قابل، تجربہ کار اور مریض دوست شخصیت موجود ہے جن کا نام ہے پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ۔ پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز فاطمہ جناح میڈیکل یونیورسٹی سے کیا، اس کے بعد آپ علامہ اقبال میڈیکل کالج / جناح ہسپتال لاہور میں بطور ماہر نفسیات تعینات رہیں جہاں آپ نے ہزاروں مریضوں کا علاج کیا اور میڈیکل کے طلبہ کو تربیت دی۔ اب حکومت پنجاب نے آپ کی بہترین خدمات کے اعتراف میں آپ کو سروسز انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز (سمز) / سروسز ہسپتال لاہور میں بطور پروفیسر آف سائیکاٹری تعینات کیا ہے۔ ان سے ان کے وارڈ کی خدمات پر تفصیلی گفتگو ہوئی جس میں انہوں نے نہ صرف موجودہ صورتحال پر روشنی ڈالی بلکہ مستقبل کی ضروریات اور چیلنجز پر بھی کھل کر بات کی۔

انٹرویو: پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ سے خصوصی گفتگو

سوال: میڈم، سب سے پہلے تو عالمی یومِ دماغی صحت کے موقع پر آپ کو مبارکباد۔ سروسز ہسپتال میں سائیکاٹری وارڈ کس طرح کام کر رہا ہے اور آپ کے مطابق موجودہ صورتحال کیا ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: بہت شکریہ۔ دیکھیں، سائیکاٹری کو بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو اسے ملنی چاہیے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر تیسرا مریض کسی نہ کسی ذہنی دباؤ کا شکار ہے۔ سروسز ہسپتال میں ہمارا وارڈ 24 گھنٹے فعال ہے۔ ہم یہاں او پی ڈی، ان ڈور، ایمرجنسی

سائیکاٹری اور نشے کے عادی افراد کے علاج کی سہولیات مفت فراہم کر رہے ہیں۔ میرے لیے سب سے اہم چیز مریض کی پرائیویسی اور عزت نفس ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ مریض جب ہمارے پاس آئے تو وہ خود کو محفوظ اور قابل احترام محسوس کرے۔ بہت سے لوگ اب بھی ذہنی بیماری کو جنات یا نظر بد سے جوڑتے ہیں اور پہلے پیروں فقیروں کے پاس جاتے ہیں جہاں نہ صرف ان کا وقت ضائع ہوتا ہے بلکہ مالی نقصان بھی ہوتا ہے۔ جب وہ آخر کار ہمارے پاس آتے ہیں تو بیماری بہت بڑھ چکی ہوتی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ آگاہی کے ذریعے لوگوں کو بروقت علاج کی طرف راغب کیا جائے۔

سوال: جناح ہسپتال اور فاطمہ جناح سے سروسز تک کا آپ کا تجربہ کیسا رہا؟ کیا فرق محسوس ہوا؟

پروفیسر صاحبہ: فاطمہ جناح اور جناح ہسپتال میں میں نے بطور ٹیچر اور ڈاکٹر بہت کچھ سیکھا۔ وہاں رش بہت زیادہ تھا، خاص طور پر خواتین میں ڈپریشن، اینزائٹی کے کیسز۔ بہت سی خواتین گھریلو مسائل، معاشی دباؤ اور معاشرتی توقعات

کی وجہ سے شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہوتی ہیں۔ سروسز میں آ کر میں نے اسی تجربے کو مزید بہتر انداز میں استعمال کیا ہے۔ یہاں پرنسپل سمز پروفیسر ڈاکٹر شعیب نبی بزدار اور ایم ایس ڈاکٹر رانا خرم آفتاب نے ہمیں مکمل سپورٹ دی ہے۔ ان کی مدد سے ہم نے وارڈ کی سہولیات بہتر کی ہیں، عملے کی تربیت پر توجہ دی ہے اور مریضوں کے لیے زیادہ محفوظ ماحول فراہم کیا ہے۔

سوال: آپ کے وارڈ میں کون سی بہترین سہولیات فراہم کی جا رہی ہیں؟ خاص طور پر غریب مریضوں کے لیے کیا انتظامات ہیں؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: سب سے پہلے او پی ڈی میں مفت مشاورت۔ روزانہ 150 سے 200 مریض ہمارے او پی ڈی میں آتے ہیں جن میں ڈپریشن، شیزوفرینیا، مرگی، بچوں کے نفسیاتی مسائل، خواتین میں پوسٹ پارٹم ڈپریشن کے مریض شامل ہیں۔ سب کو مفت ادویات دی جاتی ہیں۔ دوسرا ایڈیکشن کلینک ہے جہاں منشیات کے استعمال کرنے والے نوجوانوں کے لیے خصوصی علاج اور کونسلنگ کی جاتی ہے۔ تیسرا طالب علموں کی تربیت۔ سمز کے ایم بی بی ایس اور پوسٹ گریجویٹ طلبہ کو جدید سائیکاٹری کی تعلیم دینا ہمارا مشن ہے۔ چوتھا فائر سیفٹی اور مریض کی حفاظت۔ وزیر اعلیٰ پنجاب کے ویژن کے مطابق ہم نے اپنے وارڈ میں فائر سیفٹی، صفائی اور مریضوں کی سیکیورٹی کو 100 فیصد یقینی بنایا ہے۔ ہمارے وارڈ میں کوئی بھی قیمتی سامان یا ادویات کا ضیاع نہیں ہوتا۔ غریب مریضوں کے لیے سب کچھ مفت ہے تا کہ کوئی بھی مالی مشکلات کی وجہ سے علاج سے محروم نہ رہے۔

سوال: عوام کے لیے آپ کا پیغام کیا ہے؟ لوگ ذہنی بیماری کو اب بھی شرمندگی سمجھتے ہیں، اس پر آپ کیا کہیں گی؟

پروفیسر صاحبہ: میرا پیغام بہت واضح ہے۔ ذہنی بیماری بھی جسمانی بیماری کی طرح ایک بیماری ہے، یہ کوئی شرمندگی کی بات نہیں۔ اگر آپ کو نیند نہیں آتی، ہر وقت گھبراہٹ، اداسی یا غصہ رہتا ہے تو فوراً سروسز ہسپتال سائیکاٹری وارڈ میں آئیں۔ ہم آپ کی بات رازداری سے سنیں گے اور آپ کا مفت اور بہترین علاج کریں گے۔ بہت سے مریضوں کی علامات ایسی ہوتی ہیں کہ عموماً ان کے گھر والے ان پر جنات کا سایہ سمجھ لیتے ہیں اور فقط دم درود کو ہی علاج قرار دیتے ہیں یا پھر کسی نام نہاد پیر کے پاس لے جا کر اس کے جن نکلوانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں لیکن جن اندر ہو تو باہر نکلے، بس پیر صاحب کی جیب میں بہت کچھ چلا جاتا ہے۔ ہمارے اردگرد بہت سے ایسے مریض ہوتے ہیں جو بظاہر صحت مند نظر آتے ہیں بلکہ صحت مند لوگوں سے زیادہ بہتر کام بھی کر لیتے ہیں اور اس کی وجہ صرف ان کی قوتِ ارادی اور پریشانیوں سے لڑنے کی طاقت میں پوشیدہ ہے۔ وہ عوارض کو اپنے عزت و وقار پر حاوی نہیں ہونے دیتے اور آخری سانس تک باہوش انداز میں زندگی کی تلخ حقیقتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں اور یہی کامیابی کی کنجی ہے۔

سوال: پاکستان میں ذہنی صحت کے مستقبل کے لیے سب سے اہم ضرورت کیا ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: پاکستان میں ذہنی صحت کے مستقبل کی سب سے اہم ضرورت اسے پرائمری ہیلتھ کیئر یعنی بنیادی صحت کے نظام میں شامل کرنا ہے۔ عالمی ادارہ صحت کا mhGAP یعنی Mental Health Gap Action Programme اسی تصور کو فروغ دیتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیر ماہر طبی عملے کو مخصوص ذہنی امراض کی شناخت اور ابتدائی انتظام کی تربیت دی جائے تا کہ محدود تعداد میں موجود ماہرین پر پورا بوجھ نہ رہے۔ پاکستان میں BHU، RHC، ڈسپنسری، تحصیل اور ضلعی اسپتال پہلے سے موجود صحت کے ڈھانچے کا حصہ ہیں۔ اگر ان مراکز کے میڈیکل آفیسرز، نرسز اور کمیونٹی ہیلتھ ورکرز کو بنیادی مینٹل ہیلتھ اسکریننگ، ابتدائی کاؤنسلنگ اور ریفرل کی تربیت دی جائے تو خدمات کی رسائی بہت بڑھ سکتی ہے۔ کمیونٹی میں موجود لیڈی ہیلتھ ورکرز بھی اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ وہ گھر گھر جاتی ہیں، خواتین اور خاندانوں کے ساتھ رابطہ رکھتی ہیں اور مقامی حالات سمجھتی ہیں۔ انہیں تشخیص کا متبادل نہیں کہا جا سکتا لیکن وہ خطرے کی ابتدائی علامات پہچاننے، آگاہی دینے، مریض کو مناسب مرکز تک پہنچانے اور فالو اَپ میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔

سوال: بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی صحت کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟ اسکولز اور والدین کا کردار کیا ہونا چاہیے؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: ذہنی صحت کے قومی پروگرامز میں بچوں اور نوجوانوں کو مرکزی حیثیت دینا ہوگی۔ بہت سے ذہنی مسائل زندگی کے ابتدائی برسوں میں شروع ہو جاتے ہیں مگر انہیں اکثر تعلیم، تربیت یا کردار کا مسئلہ سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اسکولز میں مسلسل خاموشی، اچانک تعلیمی کارکردگی میں کمی، دوستوں سے دوری، شدید خوف، نیند یا کھانے کے معمول میں نمایاں تبدیلی، مسلسل اداسی یا غصہ ایسے اشارے ہو سکتے ہیں جن پر توجہ ضروری ہے۔ ہر تبدیلی بیماری نہیں ہوتی لیکن مسلسل اور شدید علامات کی صورت میں تربیت یافتہ ماہر سے رابطہ لازماً کرنا چاہیے۔ اسکولز اور کالجز میں کاؤنسلنگ سروسز، سائیکولوجیکل فرسٹ ایڈ، Bullying Prevention اور اسٹریس مینجمنٹ کو صحت کے معمول کے پروگرام کا حصہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے الگ بڑے اسپتال بنانے کے بجائے موجودہ تعلیم اور صحت کے نظام کو بہتر طریقے سے مربوط کیا جا سکتا ہے۔ والدین کا کردار بھی انتہائی اہم ہے۔ بچے کی ہر پریشانی کو ''کم زوری'' یا ''بہانہ'' قرار دینا مسئلہ بڑھا سکتا ہے۔ والدین اگر بچے کی بات توجہ سے سنیں، فوری فیصلہ سنانے کے بجائے سمجھنے کی کوشش کریں اور ضرورت پڑنے پر ماہر سے مدد لیں تو ابتدائی مرحلے میں بہت سے مسائل پر قابو پایا جا سکتا ہے۔

سوال: طبی عملے کی اپنی ذہنی صحت کے بارے میں آپ کیا سوچتی ہیں؟ ڈاکٹرز اور نرسیں خود بھی دباؤ کا شکار ہوتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: صحت کا نظام بنانے والوں کی اپنی ذہنی صحت بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ ڈاکٹرز، نرسز، پیرامیڈیکل اسٹاف، ایمبولینس ورکرز اور دیگر صحت کے کارکن روزانہ بیماری، موت، حادثات، تشدد اور مریضوں کے شدید دکھ کا سامنا کرتے ہیں۔ طویل ڈیوٹی، کم عملہ، مسلسل ہنگامی حالات، کام کا دباؤ، مریضوں کے لواحقین کی ناراضی اور بعض اوقات تشدد کے واقعات ہیلتھ ورکرز میں برن آؤٹ، اینگزائٹی اور ڈیپریشن کا خطرہ بڑھا سکتے ہیں۔ اس لیے اسپتالوں میں ملازمین کی ذہنی صحت کے لیے رازدارانہ کاؤنسلنگ، مناسب Duty Hours، Peer Support اور سائیکولوجیکل فرسٹ ایڈ جیسے پروگرامز ضروری ہیں۔ ایک تھکا ہوا اور ذہنی دباؤ کا شکار طبی کارکن خود بھی مدد کا مستحق ہے۔

سوال: نشہ آور اشیاء اور ذہنی صحت کا تعلق کیا ہے؟ پاکستان میں نوجوانوں میں یہ مسئلہ بڑھ رہا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: پاکستان میں نوجوانوں میں مختلف نشہ آور اشیاء کے استعمال کا مسئلہ بھی ذہنی صحت کے نظام سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ Methamphetamine یا آئس، ہیروئن، بھنگ اور بعض تجویز کردہ ادویہ کا غلط استعمال فرد کی جسمانی و ذہنی صحت متاثر کر سکتا ہے۔ نشہ صرف قانون نافذ کرنے والے اداروں کا مسئلہ نہیں، یہ ایک طبی، نفسیاتی اور سماجی مسئلہ بھی ہے۔ Substance Use Disorder کے شکار فرد کو صرف سزا دینا کافی نہیں۔ اسے کاؤنسلنگ، تشخیص، علاج، بحالی صحت اور دوبارہ معاشرے میں بحالی کی ضرورت ہوتی ہے۔

سوال: ڈیجیٹل ذہنی صحت کے امکانات کے بارے میں آپ کیا کہتی ہیں؟ کیا یہ روایتی علاج کا متبادل بن سکتا ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: پاکستان میں موبائل فون اور انٹرنیٹ کے پھیلاؤ نے ذہنی صحت کی خدمات کے لیے نئے امکانات پیدا کیے ہیں۔ ٹیلی مینٹل ہیلتھ، آن لائن کاؤنسلنگ، فون پر سائیکولوجیکل سپورٹ اور ڈیجیٹل سیلف ہیلپ مواد دور دراز علاقوں میں ابتدائی مدد فراہم کر سکتے ہیں، تاہم ڈیجیٹل سہولت کو مکمل علاج کا متبادل نہیں سمجھنا چاہیے۔ شدید ڈیپریشن، سائیکوسس، بائی پولر ڈس آرڈر، خودکشی کے خطرے یا نشہ آور اشیاء پر شدید انحصار جیسے حالات میں باقاعدہ طبی تشخیص اور مناسب ریفرل ضروری ہے۔ نیز، ڈیجیٹل نظام میں مریض کی رازداری، معلومات کا تحفظ، ماہرین کی رجسٹریشن اور خدمات کے معیار کی نگرانی بھی ضروری ہے۔

سوال: کمیونٹی ذہنی صحت کو آپ مستقبل کا راستہ کیوں قرار دیتی ہیں؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: پاکستان جیسے وسیع اور آبادی کے لحاظ سے بڑے ملک میں ذہنی صحت کا مستقبل صرف بڑے نفسیاتی اسپتالوں میں نہیں بلکہ کمیونٹی میں ہے۔ ہمیں ایک ایسا نظام درکار ہے جس میں مریض اپنے گھر اور معاشرے سے مکمل طور پر کٹنے کے بجائے جہاں ممکن ہو، علاج اور مدد حاصل کر سکے۔ کمیونٹی مینٹل ہیلتھ کا مطلب یہ نہیں کہ ماہرین کی ضرورت ختم ہو جائے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ ماہرین کی محدود تعداد زیادہ موثر انداز میں استعمال کی جائے۔ اسی نظام میں ساتھیوں کا تعاون (Peer Support) بھی اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ جو افراد علاج کے بعد بہتر زندگی گزار رہے ہیں، وہ دوسروں کو امید، حوصلہ اور عملی رہنمائی دے سکتے ہیں، مگر Peer Support کو باقاعدہ تربیت، نگرانی اور اخلاقی اصولوں کے ساتھ منظّم کرنا ضروری ہے۔

سوال: آخر میں، ذہنی صحت کو قومی ترجیح بنانے کے لیے آپ کیا مشورہ دیں گی؟

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ: ایک ایسا معاشرہ جس میں لاکھوں افراد اینگزائٹی، ڈیپریشن، شدید ذہنی امراض، نشے کی علت یا نفسیاتی صدمات کا سامنا کر رہے ہوں، وہ اپنی انسانی صلاحیتوں کو مکمل استعمال نہیں کر سکتا۔ ہمیں ذہنی صحت کو بیماری کے آخری مرحلے پر پہنچنے کے بعد علاج کرنے کے بجائے ابتدا ہی سے صحتِ عامہ کا حصہ بنانا ہوگا۔ گھروں، اسکولز، کالجز، دفاتر، کمیونٹیز، BHU، RHC، ضلعی اسپتال اور تخصصی مراکز ایک مربوط نظام کا حصہ ہوں۔ اس مقصد کے لیے ہمیں ماہرین کی تعداد بڑھانے، بنیادی صحت میں ذہنی صحت شامل کرنے، ضروری ادویہ کی دستیابی، ٹیلی مینٹل ہیلتھ، ری ہیبلیٹیشن، ڈیٹا سسٹمز اور مینٹل ہیلپ لائنز کو مضبوط کرنے کے ساتھ ساتھ سب سے بڑھ کر سماجی رویوں میں تبدیلی لانی ہوگی۔ کسی ذہنی و نفسیاتی مرض میں مبتلا فرد کو ''پاگل'' کہہ کر الگ کر دینا مسئلے کا حل نہیں، اسے مریض سمجھنا، اس کی بات سننا، طبی علاج تک پہنچانا اور خاندان کو سہارا دینا ہی ایک مہذب اور صحت مند معاشرے کی پہچان ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ کی یہ باتیں صرف ایک ماہر کی رائے نہیں بلکہ ان کے طویل تجربے اور ہزاروں مریضوں کے ساتھ کام کرنے کی حقیقت ہیں۔ ان کی موجودگی سروسز ہسپتال کے لیے واقعی ایک نعمت ہے کیونکہ وہ نہ صرف طبی علاج فراہم کرتی ہیں بلکہ معاشرتی آگاہی اور نظام کی اصلاح پر بھی زور دیتی ہیں۔ ذہنی امراض کی مختلف اقسام جیسے ڈپریشن، اینزائٹی، شیزوفرینیا، بائی پولر ڈس آرڈر، پوسٹ ٹرومیٹک اسٹریس ڈس آرڈر، اوبسیسیو کمپلسیو ڈس آرڈر اور نشے کی علت سب ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور اکثر جسمانی بیماریوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جب جسمانی بیماری جیسے ذیابیطس یا کینسر کا مریض ذہنی دباؤ کا شکار ہو تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے اور اسی طرح ذہنی بیماری جسمانی صحت کو بھی متاثر کرتی ہے۔ اس لیے دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا ضروری ہے۔

غریب ممالک میں دماغی صحت سے متعلق مسائل بہت شدید ہیں کیونکہ ان کے پاس علاج معالجے کے لیے ضروری وسائل موجود نہیں ہوتے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ وسائل کی کمی کے علاوہ سماجی بدنامی، خاندانی دباؤ، تعلیم کی کمی اور صحت کے نظام میں ترجیحات کا غلط تعین بھی اس مسئلے کو بڑھا رہے ہیں۔ جب تک ہم ذہنی صحت کو جسمانی صحت کے برابر اہمیت نہیں دیں گے، تب تک یہ خاموش جنگ جاری رہے گی جو ہر گھر، ہر خاندان اور ہر فرد کو متاثر کر رہی ہے۔ عالمی یومِ دماغی صحت صرف ایک دن نہیں بلکہ ایک یاد دہانی ہے کہ ہمیں اپنے ذہنوں کا خیال رکھنا ہے، دوسروں کے ذہنوں کا خیال رکھنا ہے اور اس نظام کو مضبوط کرنا ہے جو سب کے لیے قابل رسائی اور باعزت ہو۔

پاکستان کو اب اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ صحت مند پاکستان صرف صحت مند جسموں سے نہیں بلکہ صحت مند ذہنوں سے بنے گا۔ اس کے لیے حکومت، طبی اداروں، تعلیمی اداروں، میڈیا، مذہبی رہنماؤں اور عام شہریوں سب کو مل کر کام کرنا ہوگا۔ پروفیسر ڈاکٹر عمارہ بٹ جیسی شخصیات اس راستے پر روشنی ڈال رہی ہیں اور ہمیں ان کی رہنمائی پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھنا چاہیے۔ ذہنی بیماری کوئی عیب نہیں، یہ ایک قابل علاج حالت ہے اور بروقت مدد سے ہر فرد اپنی زندگی دوبارہ سنوار سکتا ہے۔ آیئے اس عالمی یوم پر عہد کریں کہ ہم خاموشی توڑیں گے، شرمندگی چھوڑیں گے اور ذہنی صحت کو قومی ترجیح بنائیں گے۔ کیونکہ ایک صحت مند ذہن ہی ایک صحت مند معاشرے کی بنیاد ہے۔

☆......☆

(بقیہ: مہنگائی، غربت اور آئی ایم ایف: پاکستان کی معیشت کا نیا باب یا پرانی کہانی؟)

یہ موقف حکومتی حلقوں کی طرف سے رپورٹ کے اثرات کو کم کرنے کی کوشش لگتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ چاہے شماریاتی درجہ بندی کچھ بھی ہو، پاکستان کے اندر غربت کی شرح بڑھ رہی ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سابق وزیر خزانہ اور ماہر معیشت مفتاح اسماعیل کہتے ہیں کہ حکومتی پالیسیوں کے نتیجے میں صارفین کی طلب اور مالی سہولتوں میں کمی آئی ہے جس سے لوگوں کی قوت خرید متاثر ہوئی، اور غربت اور بے روزگاری میں اضافہ ہوا۔ ان کے مطابق متوسط طبقے کے بہت سے خاندان غربت کی لکیر کے قریب یا اس سے نیچے جا چکے ہیں۔ مفتاح اسماعیل نے کہا کہ انیس سے پچیس کے دوران گوشت، چکن، انڈوں، دالوں اور آٹے سمیت بنیادی غذائی اشیا کے استعمال میں کمی دیکھی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے پاکستانی بھوکے رہ رہے ہیں۔ سابق وزیر خزانہ کے بقول پاکستانی آٹا بھی پہلے کے مقابلے میں کم استعمال کر رہے ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ لوگ غربت کی لکیر سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ معیشت کو مضبوط بنانے کے لیے ضروری اصلاحات نہیں کی گئیں۔ مفتاح اسماعیل کے مطابق سرکاری اداروں کے حجم میں کمی، توانائی کے شعبے میں اصلاحات، کاروبار دوست عدالتی نظام اور سرمایہ کاری کے لیے سازگار ماحول جیسی اصلاحات کی ضرورت تھی، لیکن ان شعبوں میں خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوئی۔ مفتاح اسماعیل کے مطابق معاشی استحکام کے لیے سیاسی استحکام بھی ضروری ہے۔ غذائی عدم تحفظ سے متعلق عالمی بینک کے خدشات پر بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ زرعی شعبے کو درپیش مسائل بھی صورتحال کو متاثر کر رہے ہیں۔ ان کے مطابق کسانوں کے لیے پیداواری لاگت میں اضافہ ہوا ہے جبکہ بہت سے کاشت کار کھاد اور دیگر زرعی وسائل تک مناسب رسائی نہیں رکھتے، جس سے زرعی پیداوار متاثر ہو رہی ہے۔ مفتاح اسماعیل کا کہنا تھا کہ اگر زرعی اور معاشی شعبوں کے بنیادی مسائل حل نہ کیے گئے تو غربت اور غذائی عدم تحفظ سے متعلق وہی خدشات برقرار رہیں گے جن کی نشاندہی عالمی بینک نے اپنی رپورٹ میں کی ہے۔

یہ ماہرین کی آراء اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ پاکستان کی معاشی مشکلات صرف بیرونی عوامل کا نتیجہ نہیں بلکہ اندرونی پالیسیوں اور اصلاحات کی کمی کا بھی شاخسانہ ہیں۔ آئی ایم ایف کے پروگراموں کی تاریخ پاکستان میں کئی دہائیوں پر محیط ہے، اور ہر بار یہ پروگرام معیشت کو عارضی سہارا تو دیتے ہیں لیکن ساختیاتی مسائل حل نہیں کرتے۔ توانائی کے شعبے میں گردشی قرضہ، ٹیکس نظام میں خامیوں، سرکاری اداروں کی نااہلی اور بدعنوانی جیسے مسائل بار بار سامنے آتے رہتے ہیں۔ مہنگائی کا طوفان خاص طور پر غریب اور متوسط طبقے کو متاثر کر رہا ہے۔ جب روزانہ تین ڈالر یا اس سے کم آمدن پر زندگی بسر کرنی پڑے تو بنیادی ضروریات پوری کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ خوراک، صحت اور تعلیم جیسے شعبوں میں اخراجات بڑھتے ہیں تو لوگ مجبوراً ان سے دستبردار ہو جاتے ہیں، جو طویل مدت میں انسانی سرمایہ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

عالمی بینک کی رپورٹ میں غذائی عدم تحفظ کا ذکر اس حقیقت کو اجاگر کرتا ہے کہ پاکستان جیسے زرعی ملک میں بھی بھوک کا مسئلہ موجود ہے۔ مون سون کے نظام میں تبدیلیاں، سیلاب اور خشک سالی جیسے موسمیاتی عوامل زرعی پیداوار کو متاثر کرتے ہیں، جبکہ پیداواری لاگت میں اضافہ کسانوں کو مشکلات میں ڈالتا ہے۔ اگر زرعی شعبے کو جدید ٹیکنالوجی، بہتر بیج، کھاد اور آبپاشی کی سہولیات فراہم نہ کی جائیں تو پیداوار میں کمی آتی رہے گی اور خوراک کی قیمتیں بڑھتی رہیں گی۔ اس کے ساتھ ہی آبادی میں اضافہ فی کس آمدنی کو کم رکھتا ہے، جس سے غربت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے۔

آئی ایم ایف کے معاہدے میں سماجی تحفظ کے پروگراموں پر زور دیا گیا ہے، جو ایک مثبت پہلو ہے۔ صحت اور تعلیم پر اخراجات میں اضافہ اور ہدفی نقد امداد کمزور طبقے کے لیے ریلیف فراہم کر سکتی ہے۔ تاہم ان پروگراموں کی کامیابی ان کے موثر نفاذ پر منحصر ہے۔ اگر مستحقین کی درست رجسٹریشن نہ ہو یا کرپشن کا عنصر موجود رہے تو امداد صحیح لوگوں تک نہیں پہنچتی۔ ایندھن پر سبسڈی ختم کرنے کی سفارش بھی اہم ہے، کیونکہ سبسڈیاں اکثر غیر ہدفی ہوتی ہیں اور بجٹ پر بوجھ ڈالتی ہیں، لیکن ان کے خاتمے کے ساتھ متبادل مدد کا نظام بھی ضروری ہے تا کہ غریب طبقہ مزید متاثر نہ ہو۔

توانائی کے شعبے کی اصلاحات پاکستان کی معیشت کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی ہیں۔ گردشی قرضہ ایک دائمی مسئلہ ہے جو بجلی اور گیس کے شعبوں کو کمزور کرتا ہے۔ لاگت میں کمی، کارکردگی میں بہتری اور نجی شعبے کی شمولیت ان مسائل کا حل ہو سکتی ہے، لیکن اس کے لیے سیاسی عزم اور شفافیت درکار ہے۔ شرح مبادلہ میں لچک اور سخت مانیٹری پالیسی مہنگائی کنٹرول کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے، لیکن اس کے منفی اثرات بھی ہوتے ہیں، جیسے سرمایہ کاری میں کمی اور بے روزگاری میں اضافہ۔

عالمی بینک کی رپورٹ ایک انتباہ ہے کہ اگر موجودہ رجحان جاری رہا تو غربت کا دائرہ مزید وسیع ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے عوام اب اس قابل نہیں رہے کہ وہ صرف وعدوں پر قناعت کریں، انہیں حقیقی تبدیلی درکار ہے۔ یہ طویل رپورٹ اسی حقیقت کو اجاگر کرنے کی کوشش ہے کہ معاشی استحکام صرف اعداد و شمار میں نہیں بلکہ عام شہریوں کی زندگی میں بہتری سے ماپا جاتا ہے۔ اگر اصلاحات نہ ہوئیں تو غربت میں اضافہ جاری رہے گا، اور بیرونی امداد بھی اس سمندر کو سوکھانے میں ناکام رہے گی۔ پاکستان کی معاشی مستقبل کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آیا حکمران طبقہ اس موقع کو سنجیدگی سے لیتا ہے یا ایک بار پھر عارضی حل پر انحصار کرتا ہے۔ یہ سوال اب بھی کھلا ہے، اور اس کا جواب آنے والے برسوں میں سامنے آئے گا۔

ریزیلینس انٹیگریشن اینڈ سوشیو اکنامک ایمپاورمنٹ پروگرام

وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ کوئٹہ میں کیچ، گوادر، پنجگور اور خاران کی خواتین اور نوجوانوں میں فنی و پیشہ ورانہ تربیت کی اسناد تقسیم

نوجوان ہمارا اثاثہ، ان کی بھرپور سرپرستی اور معاونت کریں گے، وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی

تربیت یافتہ نوجوانوں کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے، بلاسود قرضے اور کاروباری معاونت فراہم کرنے کا اعلان

وزیراعلیٰ نے نوجوانوں کے لیے رواں سال تین ارب روپے مختص، مؤثر استعمال پر مزید فنڈز فراہم کرنے کا عندیہ دے دیا

رپورٹ: بشیر احمد خان

بلوچستان کا مستقبل اس کی نوجوان نسل کی صلاحیتوں، تعلیم، ہنرمندی اور معاشی خودمختاری سے وابستہ ہے۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے نوجوانوں کو اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کیے جائیں، انہیں معاشی طور پر مستحکم ہونے میں مدد دی جائے اور ان کی توانائیوں کو مثبت سرگرمیوں کی طرف منتقل کیا جائے۔ جب نوجوانوں کو تعلیم، روزگار اور کاروبار کے مناسب مواقع میسر آتے ہیں تو نہ صرف ان کی انفرادی زندگی بہتر ہوتی ہے بلکہ ان کے خاندانوں اور پورے معاشرے پر بھی اس کے مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر نوجوانوں کو اپنی صلاحیتوں کے اظہار کے لیے مناسب مواقع نہ ملیں تو مایوسی اور بے یقینی ان کے مستقبل کے بارے میں خدشات پیدا کرسکتی ہے۔ بلوچستان جیسے صوبے میں نوجوانوں کو بااختیار بنانا اسی لیے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے کہ یہاں انسانی وسائل کی ترقی، روزگار کے مواقع اور معاشی سرگرمیوں کے فروغ کے ذریعے مستقبل کی سمت متعین کی جاسکتی ہے۔ اس حوالے سے وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی کافی پرعزم ہیں اور دوٹوک انداز میں تمام دستیاب وسائل بروئے کار لانے کا عزم دہراتے رہتے ہیں گزشتہ روز وزیراعلیٰ سیکرٹریٹ کوئٹہ میں محکمہ صنعت و تجارت حکومت بلوچستان اور بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام کے زیر اہتمام حکومت بلوچستان کے فنڈڈ ریزیلینس، انٹیگریشن اینڈ سوشیو اکنامک ایمپاورمنٹ پروگرام کے تحت ضلع کیچ، گوادر، پنجگور اور خاران سے تعلق رکھنے والے فنی و پیشہ ورانہ تعلیم کے تربیت یافتہ گریجویٹس میں اسناد تقسیم کرنے کی تقریب منعقد ہوئی جس سے خطاب کرتے

ہوئے وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی نے ایک بار پھر دوٹوک عزم کا اعادہ کیا اور کہا کہ حکومت نوجوانوں کو غیر قانونی سرگرمیوں کے بجائے قانونی معیشت کا حصہ بننے کے لیے مواقع، وسائل اور رہنمائی فراہم کر رہی ہے حکومت کا مقصد صرف نوجوانوں کو تربیت دے کر سرٹیفکیٹ دینا نہیں بلکہ انہیں اپنے پیروں پر کھڑا کرنا ہے، حکومت بلوچستان ہنر سیکھنے والے نوجوانوں کو سازگار ماحول، بلاسود قرضے، کاروباری معاونت اور مسلسل رہنمائی فراہم کرے گی تاکہ وہ اپنے علاقوں میں یا ملک کے کسی بھی حصے میں باعزت کاروبار شروع کرسکیں

تقریب میں صوبائی وزرا، مشیران، پارلیمانی سیکرٹریز، اراکین صوبائی اسمبلی، چیف سیکرٹری بلوچستان شکیل قادر خان، بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام کے چیف ایگزیکٹو آفیسر طاہر رشید اور دیگر متعلقہ حکام نے شرکت کی۔ اس موقع پر تربیت مکمل کرنے والی خواتین کی حوصلہ افزائی کی گئی اور نوجوانوں کو معاشی طور پر خودمختار بنانے کے لیے حکومتی اقدامات پر روشنی ڈالی گئی۔

یہ تقریب ان نوجوانوں کے لیے ایک اہم مرحلہ تھی جنہوں نے فنی اور پیشہ ورانہ تربیت مکمل کرکے عملی زندگی میں قدم رکھنے کی تیاری کی ہے۔ بالخصوص خواتین اور طالبات کی شرکت اس امر کی عکاس تھی کہ مناسب مواقع اور معاون ماحول فراہم کیا جائے تو بلوچستان کی بچیاں بھی تعلیم، ہنرمندی اور معاشی سرگرمیوں میں آگے بڑھنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اسناد کی تقسیم کے ذریعے ان کی محنت کا اعتراف کرنے کے ساتھ انہیں مستقبل میں روزگار اور کاروبار کے لیے تیار کرنے کے حکومتی عزم کو بھی اجاگر کیا گیا۔

وزیراعلیٰ میر سرفراز بگٹی نے اپنے خطاب میں کہا کہ آج کی تقریب ان نوجوان خواتین کی حوصلہ افزائی اور ان کی محنت کے اعتراف کا موقع ہے جنہوں نے گھروں سے نکل کر ہنر حاصل کیا اور تربیت مکمل کرکے ایک نئے سفر کا آغاز کیا۔ وزیراعلیٰ نے کہا کہ حکومت بلوچستان کی کوشش ہے کہ تربیت یافتہ نوجوان خواتین اور مرد نہ صرف خود روزگار حاصل کریں بلکہ مستقبل میں اپنے خاندانوں اور دیگر نوجوانوں کو بھی ساتھ لے کر آگے بڑھیں۔ انہوں نے کہا کہ آج کا دن تربیت مکمل کرنے والوں کے سفر کا اختتام نہیں بلکہ نئے سفر کا آغاز ہے، حکومت بلوچستان انہیں اس مقام تک پہنچانے کے لیے ان کا ہاتھ تھامے رکھے گی جہاں وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکیں۔ انہوں نے سرحدی اضلاع کے نوجوانوں کے لیے حکومت کے روزگار پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حکومت نے یہ سوچ کر پروگرام شروع کیا کہ غیر قانونی سرگرمیوں سے وابستہ معیشت کے بجائے نوجوانوں کو قانونی روزگار اور کاروبار کے مواقع فراہم کیے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ زمباد اور اسمگلنگ نوجوانوں کا مستقبل نہیں ہوسکتے، نوجوانوں کو قانونی معیشت کا حصہ بنانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ میر سرفراز بگٹی نے کہا کہ حکومت بلوچستان نے فیصلہ کیا ہے کہ غیر قانونی دائرے کو محدود کرنے کے ساتھ نوجوانوں کے لیے قانونی دائرے میں ایسے مواقع پیدا کیے جائیں جن کے ذریعے وہ اپنے ہنر کو بروئے کار لاکر کاروبار اور روزگار حاصل کرسکیں۔ اس مقصد کے لیے تربیت، سازگار ماحول، مالی معاونت اور بلا سود قرضوں پر مشتمل ایک جامع پیکیج متعارف کرایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کی خواتین ان کے لیے خصوصی ترجیح رکھتی ہیں اور انہیں یقین ہے کہ صوبے کی بچیوں میں بے پناہ صلاحیتیں موجود ہیں۔ معاشرہ اس وقت حقیقی معنوں میں ترقی کرے گا جب خواتین معاشی اور سماجی میدان میں آگے بڑھیں گی۔ انہوں نے کہا کہ بنگلہ دیش کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ خواتین کی معاشی شمولیت نے وہاں کی معیشت کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا میر سرفراز بگٹی نے کہا کہ جب بلوچستان کی خواتین آگے بڑھیں گی تو وہ اپنے بھائیوں، شوہروں اور بچوں کو بھی ترقی اور مثبت سرگرمیوں کی طرف لے جائیں گی۔ حکومت اسی وژن کے تحت خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے عملی اقدامات کر رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تربیت مکمل کرنے والی خواتین کو وزیر اعلیٰ سیکرٹریٹ میں مدعو کرنا بھی اسی عزم کا اظہار ہے تاکہ خواتین کو بااختیار بنانے کے حکومتی وژن کو عملی طور پر نمایاں کیا جاسکے۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان حکومت صحت کے شعبے میں بھی جدید اور ڈیجیٹل نظام متعارف کرا رہی ہے اور صوبے میں ڈیجیٹل صحت کے اقدامات کو عالمی سطح پر پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔ صوبائی وزیر صحت کو سری لنکا میں عالمی کانفرنس میں بطور مہمان خصوصی مدعو کیا گیا جبکہ اب ناروے میں بھی انہیں مدعو کیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بلوچستان حکومت کی جانب سے نوجوانوں کو مواقع فراہم کرنے کی پالیسی کا حصہ ہے اور نوجوانوں کو ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حکومت بلوچستان کا مقصد نوجوانوں کو ہنرمند، کاروباری اور باعزت شہری بنانا ہے۔ غیر قانونی سرگرمیوں کو چھوڑ کر قانونی دائرے میں آگے بڑھنا وقت کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے سرحدی اضلاع سے اس پروگرام کا آغاز کیا کیونکہ یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ وہاں نوجوانوں کے پاس روزگار کے مواقع نہیں، اس لیے وہ اسمگلنگ کی طرف جاتے ہیں۔ حکومت نے اس سوچ کا عملی جواب دیا ہے اور نوجوانوں کو متبادل مواقع فراہم کیے جا رہے ہیں انہوں نے کہا کہ سرحدی اضلاع کی ان بچیوں نے اپنے گھروں سے نکل کر تربیت حاصل کی ہے، جو آسان فیصلہ نہیں تھا۔ انہوں نے کہا کہ قبائلی معاشرے سے تعلق رکھنے کے باعث وہ بخوبی سمجھتے ہیں کہ بچیوں کو گھر سے نکل کر تربیت اور روزگار کے لیے آگے آنے میں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کے لیے یہ باعث فخر ہے کہ بلوچستان کی بچیاں ان مشکلات کے باوجود آگے بڑھ رہی ہیں میر سرفراز بگٹی نے کہا کہ حکومت بلوچستان نوجوانوں کے لیے اس پروگرام کو صرف سرحدی اضلاع تک محدود نہیں رکھے گی بلکہ اسے پورے صوبے تک وسعت دی جائے گی۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ حکومت بلوچستان نوجوانوں کو صرف روزگار ہی نہیں بلکہ اعلیٰ تعلیم کے مواقع بھی فراہم کر رہی ہے۔ ان کے لیے ہارورڈ اور آکسفورڈ سمیت دنیا کی معروف جامعات میں پی ایچ ڈی پروگرامز اور وظائف کے مواقع پیدا کیے جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جو عناصر نوجوانوں کو ریاست سے دور کرنے کے لیے پروپیگنڈا استعمال کرتے ہیں، نوجوانوں کو ان کے بیانیے کے بجائے تعلیم، ہنر اور ترقی کے مواقع کا انتخاب کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ بلوچستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک خاتون کمشنر ایک ڈویژن کی سربراہی کر رہی ہیں، جو خواتین کو آگے لانے کے حکومتی عزم کی عکاسی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نوجوانوں اور خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے مزید پروگرامز شروع کرے گی۔ میر سرفراز بگٹی نے کہا کہ رواں سال نوجوانوں کے لیے تین ارب روپے مختص کیے گئے ہیں۔ اگر بی آر ایس پی، اخوت پاکستان اور محکمہ صنعت و تجارت اس رقم کو مؤثر انداز میں استعمال کرتے ہیں تو حکومت مزید تین ارب روپے فراہم کرے گی، اس کے بعد اس رقم کو نو ارب اور پھر گیارہ ارب روپے تک بڑھایا جاسکتا ہے۔ حکومت نوجوانوں کو تنہا نہیں چھوڑے گی نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ جو نوجوان تشدد کے راستے پر ہیں، ان کے لیے بھی ریاست اور حکومت کے دروازے کھلے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر نوجوان تشدد کا راستہ ترک کرکے قومی دھارے میں شامل ہونا چاہیں تو حکومت انہیں تعلیم، روزگار اور ترقی کے مواقع فراہم کرنے کے لیے تیار ہے۔ انہوں نے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ سوچ سمجھ کر کریں اور تشدد کے بجائے عزت، تعلیم، ہنر اور ترقی کا راستہ اختیار کریں۔ میر سرفراز بگٹی نے کہا کہ نوجوانوں کو یہ سمجھنا ہوگا کہ ان کے لیے ایک طرف تعلیم، روزگار، کاروبار اور دنیا کے بہترین تعلیمی اداروں تک رسائی کے مواقع موجود ہیں، جبکہ دوسری طرف تشدد کا راستہ ہے جس کا انجام تباہی ہے۔ انہوں نے نوجوانوں سے کہا کہ وہ اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کریں اور ترقی و خوشحالی کا راستہ اختیار کریں۔ وزیر اعلیٰ نے بلوچستان رورل سپورٹ پروگرام کی کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ اس ادارے کا بنیادی کردار حکومت اور نوجوانوں کے درمیان رابطے کا پل بننا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ نوجوانوں کے لیے جاری پروگرام حکومت بلوچستان کی ملکیت ہے اور صوبائی کابینہ، اسمبلی، محکمہ صنعت و تجارت اور دیگر متعلقہ ادارے اس کے نفاذ میں اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔

بلوچستان میں نوجوانوں اور خواتین کو بااختیار بنانے، انہیں ہنرمندی اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے اور معاشی خودمختاری کی طرف لے جانے کے لیے وزیر اعلیٰ میر سرفراز بگٹی کا عزم قابلِ تحسین ہے۔ نوجوانوں کو محض تربیت تک محدود رکھنے کے بجائے عملی روزگار، کاروباری معاونت اور بلا سود قرضوں سے منسلک کرنے کی حکمت عملی امید افزا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اعلانات پر تسلسل کے ساتھ عمل درآمد ہو، میرٹ اور شفافیت کو یقینی بنایا جائے اور دور دراز اضلاع کے نوجوانوں تک بھی ان مواقع کی رسائی ممکن بنائی جائے۔ اگر حکومت اپنے اس وژن کو مؤثر انداز میں آگے بڑھاتی ہے تو بلوچستان کی نوجوان نسل نہ صرف اپنے لیے بہتر مستقبل تعمیر کرسکے گی بلکہ صوبے کی معاشی اور سماجی ترقی میں بھی نمایاں کردار ادا کرے گی۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان اور ان کی ٹیم کے لیے نیک خواہشات ہیں کہ یہ کوششیں نتیجہ خیز ثابت ہوں اور صوبے کے نوجوانوں کو تعلیم، ہنر، روزگار اور باعزت زندگی کے زیادہ سے زیادہ مواقع میسر آئیں۔